BOOKS BANK
http://booksbankpk.blogspot.com/

ناولٹ

کہر میں

نایاب جیلانی

سپر لگژری ''کیمری'' فل اسپیڈ کے ساتھ نیویارک کی کارپٹڈ ہائی وے پر دوڑ رہی تھی۔ سورج کی کرنیں چھتوں پر پڑ رہی تھیں جہاں برف پڑی تھی۔ یوں معلوم ہوتا تھا سنہری کرنوں کی چمک سے کئی ہیرے دمک رہے ہوں۔

مگر یہ چمک اس کی آنکھوں میں ریت بھر رہی تھی۔

اگر خالہ اسے اتنا مجبور نہ کرتیں، اس کے سامنے گریہ نہ کرتیں اور مرنے سے پہلے عہد نہ لیتیں تو شاید

Activate W

فاطمہ کبھی ان اجنبی راہوں کی طرف نہ پلٹتی..... ان کٹھور لوگوں کی بستی میں نہ آتی۔ خالہ کی ہر بات پر سر جھکانا اس کا فریضہ تھا۔ خالہ کی محبت اور فرمانبرداری اس کے لیے عبادت کا درجہ رکھتی تھی۔

خالہ کی یاد میں آج بھی فاطمہ کی آنکھیں نمی سی بھر جاتی تھیں۔ اس کا ویزا لگا اور ٹکٹ کنفرم ہوا ادھر خالہ اپنے آخری ''فرض'' سے فراغت پا کر خالقِ حقیقی سے جا ملیں۔ یوں لگتا تھا جیسے وہ فاطمہ کے ویزے کا انتظار کر رہی تھیں۔ اس کی زندگی میں در آنے والی طغیانی کے بعد سکون اور شانتی کا انتظار کر رہی تھیں۔ جیسے ہی ماموں نے ایک مرتبہ پھر اس کا ویزا وغیرہ بھیجا..... ٹکٹ کے پیسے اکاؤنٹ میں ٹرانسفر کیے..... اُدھر خالہ نے مکان بیچ کر سارے اماؤنٹ کے ڈالرز بنوائے اور فاطمہ کو اپنے آنسوؤں سے زیر کر کے جہاز میں بٹھا دیا..... ابھی وہ سفر میں تھی جب اطلاع ملی گئی کہ خالہ اب اس دنیا میں نہیں رہیں۔ شاید وہ فاطمہ کو اپنی زندگی میں محفوظ ٹھکانے پر پہنچنے کا اطمینان کر کے اس دنیا سے رخصت ہوئی تھیں..... یا پھر اپنی بیٹی کا لدا بوجھ اتار کر اللہ کے حضور حاضر ہوئی تھیں۔

انہیں گمان ہوگا..... یہ عمل ان کی بیٹی کے رستوں میں بکھرے کانٹے سمیٹ دے گا۔ شاید خالہ کا گمان غلط نہ ہو..... مگر ہر کوئی اپنے عمل کا کیا پاتا ضرور ہے۔ چاہے کسی بھی صورت میں ہو..... دل دکھانے والے یہ کیوں نہیں سوچتے اگر کوئی ان کا دل دکھا جائے تو کیا ہو؟ زندگی چھین لینے کی کوشش کرنے والے یہ کیوں نہیں سمجھتے کہ کوئی ان کی زندگی کے ساتھ اس طرح کرے تو کیا ہو..... ؟ بے بس کر دینے والے جب خود بے بس ہو جاتے ہیں تو اپنی بے بسی کا حال تک سنا نہیں سکتے۔

نیویارک ہائی وے پر بکھری ایسی دردناک یادیں آج بھی فاطمہ کی روح کو جھنجوڑتی تھیں۔ جیسے ایک فلم سی تھی جو آنکھوں کے پار چل رہی تھی۔ منظر کے بعد منظر بدل رہا تھا۔ چہرے کے بعد چہرہ بدل رہا تھا۔ آنکھوں کے رنگ بدل رہے تھے۔ لوگ بدل رہے تھے، عکس بدل رہے تھے۔ حتیٰ کہ شہر بدل رہے تھے۔

اچانک چلتی ''کیمری'' کی خاموش فضا میں مردانہ آواز ابھری تھی۔ گاڑی ڈرائیو کرنے والا بظاہر سنجیدہ نظر آتا بندہ ایک دم بولنا شروع ہوا تو فاطمہ کو خیال آیا۔ وہ گاڑی میں اکیلی نہیں تھی اور سوچوں کے سفر میں بہت دور تک نکلی ہوئی تھی۔ اس کی یادیں نیویارک ..... کی طرح بہت گنجان تھیں۔ پھر بھی وہ لمحہ بھر میں یادوں کے طویل سلسلے کو جھٹک کر سیدھی ہوگئی۔ اس کا دھیان ارد گرد نہیں، امر کی گفتگو اور باتوں کی طرف تھا۔ وہ شاید خود کلامی کر رہا تھا۔ یقیناً یہ امر ہی تھا..... ماہر کا دوست بلکہ جگری دوست، بیچ میں چودہ سال آچکے تھے پھر بھی فاطمہ نے ائرپورٹ پر امر کو دیکھ کر پہلی مرتبہ میں پہچان لیا تھا۔ تب کے اور اب کے امر میں کافی فرق تھا۔ تب وہ ایک لاابالی، بے فکرا، ہنس مکھ، شوخ مزاج اسٹوڈنٹ تھا۔ میڈیکل کا اسٹوڈنٹ لیکن اس وقت وہ پہلے والے امر سے کافی مختلف لگ رہا تھا۔ شاید اس لیے کہ بیچ میں چودہ سال آگئے تھے۔ گو کہ وہ اب بھی ہینڈسم اور پرفیکٹ تھا مگر اس کی پرسنالٹی سے سنجیدگی میچ نہیں کر رہی تھی۔ اس کی باتیں سن کر اس نے یہی اندازہ لگایا تھا۔ وہ مغرب کا پروردہ ضرور تھا لیکن آج بھی مغرب کے لیے اس کے جذبات منفی ہی تھے۔ فاطمہ کو وہ پہلے والا ہی امر لگا..... جب وہ ماموں کے گھر کی مین روڈ پر اونچی آواز میں گوروں کے خلاف باتیں کیا کرتا تھا۔

فاطمہ کو اس وقت بھی وہ پہلے والا امر ہی لگا..... ویسا ہی جوشیلا اور بھڑکیلا..... اور اس کا دوست بھلا کیسا ہوگا؟ پہلے کی طرح ہی سرد، برفیلا، اجنبی.....

اس کا خیال بھٹک کر ماہر کی طرف لپکنے لگا تھا۔ اس نے خود کو ملامت کر کے ذہن امر کی باتوں اور غصے کی طرف لگایا تھا پھر ایک گہری افسردہ سانس اس کے حلق سے برآمد ہوئی۔

''بڑی طاقتیں ہمیشہ اپنے مفاد کے لیے ویٹو پاور

کا استعمال کرتی ہیں۔ وہ پاور بڑی ریاست کی سربراہی سے حاصل ہو..... دولت سے حاصل ہو یا حسن سے..... اپنے مفاد کے لیے بڑی طاقتیں کچھ نہیں دیکھتیں۔ چھوٹے ملکوں اور چھوٹے لوگوں کو کچل کر رکھ دیتی ہیں۔'' فاطمہ کے جواب نے لمحے بھر کے لیے امر کو سن کر کے رکھ دیا۔ اسٹیئرنگ وہیل پر اس کا ہاتھ ہونے سے کپکپا گیا۔ جیسے وہ سمجھ گیا تھا۔ فاطمہ کا اشارہ کس طرف تھا اور وہ کن بڑی طاقتوں کا ذکر کر رہی تھی۔

''وقت بڑی طاقتوں کو سرنگوں کر دیتا ہے۔''

کافی دیر بعد امر نے جیسے تبصرہ کیا تھا۔ فاطمہ کے لبوں پر ایک پھیکی سی مسکراہٹ آگئی تھی۔

''وقت نہیں..... بڑی طاقتوں کی شاطرانہ چالیں جو کبھی کبھار الٹ بھی جاتی ہیں..... اور کبھی کبھار مات کرنے والوں کو شہ مات کا مزہ بھی چکھنا پڑتا ہے..... اور یہ تقدیر کی شہ مات ہوتی ہے۔'' اس کا لہجہ کسی قدر نم اور افسردہ تھا۔ امر لمحے بھر کے لیے چپ سا ہوگیا۔

''تم بہت سمجھداری کی باتیں کرنے لگی ہو۔'' اس کا انداز ذرا بے تکلف قسم کا تھا۔ تاہم وہ اس کی سنجیدگی پر چونک ضرور گیا تھا۔

''بیچ میں چودہ سال آچکے ہیں امر بھائی.....'' وہ بتانا نہیں چاہتی تھی پھر جانے کیسے زبان سے پھسل گیا۔ امر بھی چپ سا کر گیا۔ اب بھلا کیا بولتا۔ جیسے سارے لفظ بے جان اور بودے ہو چکے ہوں۔

کافی دیر تک کار میں معنی خیز سی خاموشی چھائی رہی۔ جسے امر نے خود ہی سمیٹ ڈالا۔

''سفر تو اچھا گزر گیا.....؟'' اسے کچھ تو کہنا ہی تھا یا شاید وہ فاطمہ کے لفظوں کی گھٹن کو زائل کرنا چاہتا تھا۔ اس نے اچانک ہی گفتگو کو اک الگ موڑ دے دیا تھا۔ شاید اسے بات بدلنے کے لیے بہترین موضوع مل گیا تھا۔

''پتا نہیں..... ترکی میں جہاز کا اسٹے (وقتی قیام) تھا۔ وہیں پہ خالہ کی وفات کا پتا چلا..... پاکستان سے کال آئی تھی۔'' فاطمہ کی آواز پھر سے بھرا گئی۔ امر کی آنکھوں میں بھی تاسف ابھرنے لگا..... پھر اس نے قدرے جھجک کر پوچھا تھا۔

''وہ حورعین کی والدہ تھیں؟''

''ہاں.....'' فاطمہ کے حلق تک میں ریت بھر گئی تھی۔ دریائے ہڈسن کے کناروں پر بکھری سوکھی ریت اڑتی ہوئی اسے غبار آلود کر گئی تھی۔ فاطمہ کا منہ، ناک اور آنکھیں ریت کے نوکیلے ذروں سے بھر گئے تھے۔ اسے لگا حورعین کے نام کے ساتھ ذلتوں کے کئی باب اور کئی اوراق کھلتے چلے گئے تھے۔

اس نے دونوں ہاتھوں سے چکراتا سر تھام لیا تھا۔ امر نے اس کی بگڑتی طبیعت دیکھی اور پریشان ہوگیا۔ پھر اس نے جلدی سے پانی کی بوتل کھول کر اسے پکڑائی۔ وہ خاصا گھبرا گیا تھا۔ گو کہ وہ ایک ڈاکٹر تھا پھر بھی.....

''تم ٹھیک ہو فاطمہ.....؟'' اس نے کافی دیر بعد جب وہ کچھ سنبھل گئی تب پوچھا تھا۔

''بہتر ہوں۔'' اسے بہ مشکل ہی بولنا پڑا تھا۔ پانی کی بوند پس حلق میں اتریں تو سوکھا گلا کچھ تر ہوا تھا۔ پھر وہ ذرا سنبھل گئی تھی۔ آخر امر پر کچھ کیوں ظاہر ہونے دیتی؟ گو کہ امر اس کی زندگی کے ہر پہلو سے واقف تھا..... ہر اس ذلت سے جو اس نے نیویارک سے سمیٹی تھی..... ہر وہ ٹھوکر اور دھوکا جو اس نے اپنوں سے کھایا تھا۔ امر سب کچھ تو جانتا تھا..... ہر بات، ہر واقعہ، فاطمہ کی زندگی کے ایک، ایک پل سے واقف تھا۔

پھر اس نے امر کا دھیان خود سے ہٹانے کی غرض سے پوچھا۔

''ماموں اور مامی کیسے ہیں؟'' اس کی نارمل آواز گاڑی میں گونجی تو امر نے سکون کی سانس لی۔ ورنہ وہ خاصا پریشان ہوگیا تھا۔ سوچ رہا تھا کہ پہلے اسے کسی میڈیکل اسٹیشن پر لے جائے مگر فاطمہ اب کافی بہتر دکھائی دے رہی تھی۔

''انکل اور آنٹی ٹھیک ہیں..... تمہارا انتظار کر رہے ہیں۔'' امر نے نرمی سے بتایا اور پھر بیک ویو مرر

BOOKS BANK
http://bookbanknet.blogspot.com/

سے فاطمہ کے تاثرات دیکھنے چاہے..... وہ اس کے چہرے سے کچھ کھوجنا چاہتا تھا۔ اس نے کسی اور کے بارے میں کیوں نہیں پوچھا؟ چلو ماہر کا نہ پوچھتی پھر بھی کم از کم اسے بچوں کے بارے میں تو ضرور استفسار کرنا چاہیے تھا۔ وہ بچے جو اس کے آنے کی خبر پہ سخت دیوانے ہو رہے تھے۔ خوشی سے اچھل پڑے تھے۔ اتنے پُرجوش تھے اور بہت دن سے اسے ویلکم بولنے کی تیاریاں کر رہے تھے۔

''بچے تمہارا بہت شدت سے انتظار کر رہے ہیں۔'' امر نے خود ہی ڈھیٹوں کی طرح بتا دیا تھا کیونکہ اسے محسوس ہو رہا تھا فاطمہ بالکل بھی بچوں کے بارے میں کچھ پوچھنے کا ارادہ نہیں رکھتی۔ اسے فاطمہ کے سپاٹ تاثرات پہ عجیب سا دکھ ہوا تھا..... کیونکہ بچوں کا خیال، ان کی خوشی، دیوانگی اور فاطمہ کی آمد کے لیے پُرجوش ہونا وہ خود ملاحظہ کر چکا تھا۔

''اگر فاطمہ کے ایسے ہی کٹھور تاثرات رہے تو بچوں کا دل کس قدر ٹوٹ جائے گا۔'' امر کو آنے والے وقت سے خوف سا آیا۔

گو کہ فاطمہ پہلے سے بہت بدل چکی تھی۔ اس کا وہ بچپنا، لاابالیت اور بے وقوفانہ سا تاثر اب کہیں نہیں تھا۔

وہ بہت سنجیدہ ہو چکی تھی۔ اس کی شخصیت میں ایک وقار اور ٹھہراؤ آ چکا تھا۔

اور سب سے بڑی بات فاطمہ کو اپنے تاثرات بھی چھپانے آ گئے تھے۔ گویا وقت واقعی بہت آگے تک جا چکا تھا۔ اتنا آگے کہ امر کو بھی فاطمہ سے بات کرنے کے لیے بہت دیر تک سوچنا پڑ رہا تھا۔ وہ کیسے اور کس طرح سے بچوں کا ذکر چھیڑے؟ وہ اسی شش و پنج میں مبتلا تھا جب فاطمہ نے خود ہی خاموشی کو سمیٹ ڈالا۔ شاید وہ اس معنی خیز چپ پر خود ہی اکتا گئی تھی۔

''کیا ماموں نے گھر بدل لیا.....؟'' فاطمہ نے شیشے سے پار دریائے ہڈسن کے پل کو دیکھا تھا۔ یہ رستہ ماموں کے گھر کو نہیں جاتا تھا تو پھر یہ لوگ کہاں جا رہے تھے؟ اس نے بہت نیچے تک جھانک کر دیکھا تھا۔ بہت دور تک ہڈسن کا پانی بپھر رہا تھا۔ بہت خوب صورت اپارٹمنٹ نما یاٹ لہروں پر تیرتی سفید بطخوں کے مانند لگ رہی تھیں۔ ہڈسن کے نیلے پانی پر تیرتے بگلے اتنے سفید تھے کہ موتیوں سا گمان ہوتا۔ بہت دور سے سفید نگینے معلوم ہوتے تھے۔

''ہم کہاں جا رہے ہیں؟''

''دریا کے اس پار.....'' امر نے اپنے تئیں خاصا ہلکا پھلکا جواب دیا تھا جو فاطمہ کو قطعاً ناکافی لگا۔ اس نے ایک مرتبہ پھر تفکر کے گہرے احساس کو دبا کر پوچھا۔

''یہاں کیوں آئے ہیں؟'' وہ بے چین ہو گئی تھی..... یہ امر تو وہی تھا۔ چودہ سال پہلے والا..... بے ڈھنگا، بھیجو نہیں، جاتا کہیں تھا..... لینے کسی کو آتا اور لے کسی اور کو جاتا تھا۔

''ہم کہاں آ گئے ہیں؟'' ایک جگہ گاڑی رکتے دیکھ کر اس نے پھر پوچھا۔

''ہمیں یہاں لنچ کرنا ہے پھر گھر کی طرف نکلنا ہے۔'' امر نے بالآخر لمبا چوڑا پروگرام بتا دیا تھا۔ فاطمہ ہکا بکا رہ گئی تھی۔

''تو کیا اب بھی مامی، فاطمہ کے لیے ایک وقت کھانا بنانے کا تردد نہیں کر سکتی تھیں؟'' وہ عجیب انداز میں سوچتی رہ گئی تھی..... گو کہ اسے مامی سے کسی بھی قسم کی ہمدردی یا نرماہٹ کی امید نہیں تھی۔ پھر بھی دل کو دھکا سا لگا۔ واقعی کچھ لوگ کبھی نہیں بدلتے۔ مامی بھی ویسی ہی تھیں مغرور، نخریلی اور فاطمہ کو کم تر سمجھنے والی۔ اسے کوئی ایسی خوش فہمی تو نہیں تھی اور نہ ہی یہ امید تھی کہ مامی اس کا پُرجوش قسم کا استقبال کریں گی پھر بھی دل عجیب انداز میں بھرا گیا تھا۔ اسے ان سنسان، تلخ اور اجڑے دنوں کا خیال آیا تھا جو اس نے مامی کی ہمراہی میں گزارے تھے اور جو اس نے ماموں کے عقوبت خانے میں بتائے تھے۔ وہ دن شاید فاطمہ عمر بھر نہیں بھلا سکتی تھی۔ وہ مہینے، وہ سال کیسے پُراذیت تھے۔ وہ وقت کتنا دردناک تھا..... گزرتا ہی نہیں تھا..... رینگ،

رینگ کے چلتا تھا۔

اس نے سیٹ کی پشت سے ٹیک لگا لی تھی۔ پلکیں پپوٹوں سے جڑیں تو دو آنسو خود بخود ٹوٹ کر گالوں پر پھسل گئے تھے۔ وہ گزرے ہوئے ماضی کو یاد نہ کرنے کا عہد کر کے آئی تھی۔ مگر یادیں تو..... ایسے ہی بدعہد ہوتی ہیں تب اچانک امر نے اسے مخاطب کر لیا تھا۔

''تم نے میرے بارے میں پوچھا نہیں..... میں کیا کرتا ہوں؟ شادی کی یا نہیں؟ یعنی تمہاری نگاہ میں میری کوئی اہمیت ہی نہیں۔'' امر کا انداز قدرے خفگی لیے ہوئے تھا۔ فاطمہ کو چونک کر سنبھلنا پڑا تھا۔ پھر وہ ذرا سی سیدھی ہوئی۔

''میں یہی سوچ رہی تھی۔'' اس نے گڑبڑا کر کہا۔ امر نے بیک ویو مرر سے گھور کر اسے دیکھا تھا۔

''جھوٹ تمہیں بولنا نہیں آتا۔'' امر کا انداز جتانے والا تھا۔ فاطمہ چپ سی رہ گئی تھی۔

''تو اب بتا دیں..... کیا کرتے ہیں آپ.....؟'' فاطمہ نے ملائمت سے پوچھا۔ وہ واقعی امر سے یہی سوال کرنا چاہتی تھی..... لیکن ماضی کی تلخ یادوں میں الجھ کر اسے کچھ یاد نہیں رہتا تھا۔

''کچھ زیادہ نہیں..... بچے پالتا ہوں..... تمہارے بچے۔'' امر کا انداز صاف جتانے والا تھا۔ فاطمہ کو لمحہ لگا اور وہ زلزلوں کی زد میں آ گئی تھی۔ اس کے دماغ کو چکر پھیریاں لگ گئی تھیں۔ ہر چیز جیسے گول، گول گھومتی جا رہی تھی۔ اس کے دل کو بھی پنکھ لگ گئے تھے۔ جیسے صنوبر ہستی پر بھونچال آ گیا تھا۔ فاطمہ کی آنکھوں کے سامنے اندھیرا چھا گیا تھا۔ ہر طرف ایک ہی بازگشت سنائی دے رہی تھی۔

''تمہارے بچے.....''

''تمہارے بچے.....''

فاطمہ کو لگا وہ کبھی اپنے پیروں پر کھڑی نہیں ہو سکے گی۔ اس کی ٹانگوں پر لرزہ طاری تھا۔ اس کے پورے وجود پر لرزہ طاری تھا۔ وہ رعشہ زدہ مریض کی طرح کپکپانے لگی تھی اور وہ کپکپاتی جا رہی تھی، تھرتھراتی جا رہی تھی۔ اس پر قیامت آ رہی تھی۔

''ڈیڑھ سال ہو چکا ہے حورعین کو گئے ہوئے۔ بچے اس سے بہت اٹیچ تھے۔ وہ ٹوٹ سے گئے۔ ان کو سنبھلنے میں اور کچھ نئی حقیقتوں کو قبول کرنے میں بہت وقت لگا تھا۔ پھر جب وہ سنبھل گئے تو تمہیں.....'' امر مزید بھی بتا رہا تھا۔ شاید اس کا مائنڈ میک اپ کر رہا تھا۔ نئی حقیقتوں سے مراد شاید بچوں کو فاطمہ کے متعلق بتانا تھا۔ اور جب بچوں کو پتا چل گیا تو پھر کیا ہوا ہوگا؟ ان کا ردِعمل کیا تھا؟ اپنے باپ کی طرح ہی ظالمانہ، خودغرضانہ اور کٹھور.....

فاطمہ کا رواں، رواں کان بن گیا تھا۔ اس کے دل کی دھڑکنیں متزلزل تھیں۔ جیسے کہیں تہلکہ مچا ہو..... جیسے کہیں قیامت بپا ہو۔ وہ دل جو چودہ سال سے تھپک، تھپک کر صبر کی لوریوں سے بہل رہا تھا اچانک ہی جنونی ہو گیا۔ بے قابو سا ہو گیا..... بے چین و بے قرار سا ہو گیا۔

وہ انہیں دیکھنے کے لیے مچل گئی، بلک اٹھی..... مضطرب ہو گئی۔ وہ جو لہو کی طرح جسم کے ریشے، ریشے میں رگ، رگ میں دوڑ رہے تھے۔ وہ کہاں تھے؟ وہ کس شہر میں تھے؟ کس نگر میں تھے؟ وہ انہیں کہاں، کہاں تلاشتی؟ وہ اس کی آنکھوں سے اوجھل تھے۔

فاطمہ کا دل چاہ رہا تھا۔ وہ اونچی آواز میں روتی رہے۔ گریہ کرے..... بین کرے..... ماتم کرے..... اسے لگا وہ زمانوں سے نہیں آج ہی جدا ہوئے ہیں بلکہ ابھی جدا ہوئے ہیں۔

امر نے مرر سے دیکھا اور دھک سے رہ گیا۔ فاطمہ کے رخسار نمکین پانیوں سے بھیگ رہے تھے۔ وہ بے آواز رو رہی تھی اور اس کے اندر ماتم کی صف بپا تھی۔ شاید صبر کی طنابیں ہاتھوں سے چھوٹ چکی تھیں۔ وہ اونچی آواز میں رونے لگی۔ وہ بلند آواز میں چیخنے لگی۔ وہ اپنے بالوں کو نوچنے لگی۔ رخساروں کو پیٹنے لگی۔ اس کے سارے اختیارات کی حدیں آج ٹوٹ گئی تھیں۔

امر بے بسی سے اسے دیکھتا جا رہا تھا۔

BOOKS BANK
http://bookbankpk.blogspot.com/

فاطمہ رو، رو کر نڈھال ہوگئی۔ چلا چلا کر اس کا حلق خشک ہوگیا۔ چیخ، چیخ کر وہ تھک چکی تھی۔ برسوں سے بہتے آنسوؤں کی ندیاں بھی سوکھنے لگی تھیں۔

اس کی آنکھیں سوج کر پھول گئیں۔ کنچن کے پھل کی طرح لال ہوگئیں۔ وہ جس اذیت سے گزر رہی تھی اس کا اندازہ کوئی نہیں کرسکتا تھا۔ کسی میں اتنی سکت نہیں تھی۔ اتنی طاقت نہیں تھی کہ فاطمہ کا دکھا ہوا زخمی دل چیر کر دیکھ پاتا۔

وہاں لہو ہی لہو تھا، زخم ہی زخم تھے۔

''اور انہیں اتنے سالوں بعد پتا چلا کہ حورعین کون تھی؟ اور تم کون؟ گو کہ بچوں کے معصوم ذہنوں کو الجھانا غیر مناسب تھا پھر بھی ہمیں بتانا تو تھا ہی..... میں نے انہیں سب کچھ بتایا..... اس انداز میں کہ بچوں کی نفسیات کسی بھی موڑ پر نہ الجھے..... ان کے لیے حورعین بھی ڈریم لینڈ کی فیری تھی اور تم بھی..... ڈریم لینڈ کی ایک فیری چلی گئی اور دوسری فیری آگئی..... یعنی تم..... اگر تم واپس پلٹ کر آئی ہو تو یقیناً بہت کچھ درگزر کروگی..... اپنے لیے نہ سہی، ماہر اور انکل، آنٹی کے لیے سہی..... عون اور محمد کے لیے..... وہ تمہاری راہ دیکھ رہے ہیں۔ فلوریڈا کی نرسز پاکستان سے واپس لوٹ آئی ہے، ہم سب کے لیے..... جو تمہارے اپنے ہیں۔''

امر کی آواز کسی آکٹوپس کی طرح اسے جکڑ رہی تھی۔ اس میٹھے لہجے میں آس بول رہی تھی۔ امید چمک رہی تھی۔ وہ یقین تھا جو ٹوٹنے لگتا بھی تو جڑ جاتا۔

اور امر کو واقعی ایسا ہی یقینِ کامل تھا۔ وہ عون اور محمد کی ماں تھی..... اور مائیں کٹھور دل نہیں ہوتیں۔

مائیں کبھی بچوں سے انتقام نہیں لیتیں۔ اور نہ اپنے بچوں کو آزماتی ہیں۔

اور وہ فاطمہ احسن..... ماہر ارباب کی بیوی نہیں..... عون و محمد کی ماں بن کر واپس آرہی تھی کیونکہ فاطمہ احسن صرف عون اور محمد کی ماں تھی..... صرف عون اور محمد کی۔

☆☆☆

اور پھر نیویارک شہر میں اس روز کا چمکتا سورج ڈھل گیا تھا۔ رینگتی ہوئی رات آئی اور ہر چیز پر چھا گئی۔ یہ پچیس دسمبر کی تاریخ تھی کرسمس کی رات چمکتی روشنیوں نے پورے نیویارک کو بقعۂ نور بنا رکھا تھا۔ پورا شہر جگمگا رہا تھا۔ پورا شہر گویا جگنوؤں سے بھرا تھا۔ پورا نیویارک دلہن کی طرح سج رہا تھا۔ شاید گوروں کے لیے کرسمس سے بڑھ کر کوئی خوشی نہ ہو۔ فاطمہ کے لیے تو عید سے بھی اوپر جہانوں کی خوشیاں بے دریغ آسمانوں سے برس رہی تھیں۔

وہ رات جو شبِ برات سے کم نہیں تھی..... وہ رات جو ملن کی رات تھی۔ اس رات فاطمہ کی بلکتی ممتا کو قرار آگیا تھا۔ اس رات فاطمہ کی بے سکون زندگی میں ٹھہراؤ آگیا تھا۔ اس نے ان دو لڑکوں کو دیکھا..... جو اس کے شانوں سے کچھ نیچے تھے۔ پھر بھی اپنی عمر سے بڑے قد..... اونچی اٹھان، صحت مند سراپا لیے ذہین آنکھیں۔ فاطمہ کے دل میں ممتا کی ایسی لہریں اٹھیں جو چودہ سال کے ہر دکھ، ہر اذیت ہر جدائی کو بہا کر لے گئیں۔ یاد رہا تو بس اتنا..... ان دو لڑکوں کے وجود میں فاطمہ کے لیے امان ہے سکون ہے، سرور ہے، خوشی ہے، عمر بھر کا قرار ہے۔

وہ عون اور محمد کو آنکھوں میں بسا، بسا کر نہیں تھک رہی تھی۔ وہ بھی ایسے بلک، بلک کر ملے کہ عمر بھر کی ساری وحشتوں کا ازالہ ہوگیا تھا۔ ان دونوں کے خوب صورت وجود میں گم ہو کر وہ ماموں، مامی کو یکسر نظر انداز کرچکی تھی۔ امر کے بتانے بلکہ جتلانے پر اسے احساس ہوا تھا سو قدرے سنجیدگی سے ماموں اور مامی کو سلام کیا..... گو کہ اس کا انداز کافی روکھا تھا پھر بھی مامی کا جوش کم نہیں ہوا..... وہ بڑی محبت جتلاتے جوش سے فاطمہ سے بھینچ، بھینچ کر ملی تھیں۔ جیسے مامی کے ساتھ فاطمہ کے بڑے اچھے تعلقات رہے ہوں۔ اپنے بیٹے کی ہر زیادتی کا اسے فون کر کر کے اور احوال پوچھ پوچھ کے ازالہ کیا تھا۔

فاطمہ کے دل میں انی سی اتر آئی تھی۔ چاہے کچھ

بھی ہو جاتا..... مامی اور ان کے بیٹے کی دی گئی ذلت کو اتنی آسانی کے ساتھ بھلا دینا ممکن نہیں تھا۔

وہ کیسے بھول جاتی، دن رات کی اس اذیت کو ماہر کے تلخ رویے کو، حقارت کو، مامی کی بیزاری کو اور اس آخری رسوائی کو..... کیا وہ سب کچھ بھلا دینا واقعی آسان تھا۔

ماموں اسے تڑپ، تڑپ کر روتے دیکھ کر پشیمان اور آزردہ ہو رہے تھے۔

''میری بیٹی! مجھے معاف کردو..... میں تمہارا کوئی حق ادا نہیں کرسکا.....'' وہ اس کا سر تھپکتے بہت غم زدہ تھے۔ فاطمہ کو سنبھلنا ہی پڑا۔ آخر اس کی خرابی قسمت میں ماموں کا کیا دوش تھا..... وہ تو اپنا فرض حتی المقدور نبھاتے ہی رہے تھے جہاں تک ممکن ہوا، فاطمہ سے رابطہ رکھا..... تعلق نبھایا..... اسے تسلی دلاسا دیتے رہے..... ماموں بس اتنا ہی تو کرسکتے تھے۔

''مجھے یقین نہیں آرہا..... میں زندگی میں..... بقائمی ہوش و حواس کے ساتھ عون اور محمد کو دیکھ رہی ہوں۔ مجھے ابھی تک یقین نہیں آرہا.....'' وہ اپنے بیٹوں کو خود میں بھینچ کر روتے ہوئے کہہ رہی تھی۔

فاطمہ نے اتنے سال اسی نفرت میں گزارے کہ یہ دونوں اپنے باپ کی طرح ہوں گے۔ ویسے ہی سنگ دل، کٹھور، خود غرض پھر وہ کیوں خود سے اپنے بچوں کے ساتھ رابطہ کرتی..... ان سے ملتی..... وہ اس گمان میں رہی کہ خود غرض باپ کے بیٹے بھی خود غرض ہوں گے۔

لیکن فاطمہ کا یہ گمان غلط ثابت ہوگیا تھا..... وہ ناک نقشے میں اپنے باپ جیسے ضرور تھے مگر عادتوں، مزاج اور طبیعت میں فاطمہ کا دوسرا عکس.....

پھر بہت دیر بعد امر نے ملن کے طویل ہوتے پروگرام کو دیکھ کر فاطمہ سے کہا۔

''فاطمہ! ان سے ملو یہ حمنہ ہیں..... عون اور محمد کی بہن.....'' امر کے احساس دلانے پر فاطمہ نے گردن موڑ کر کراسنگ ایریا کے انٹرس پر ابھی تک کھڑی اس

بابا جان ہم ادھورے ہیں بہت

زندگی اِک بے اعتبار شے ہے کسی کو خبر نہیں آنے والا وقت ہمارے لیے خوشیوں کی نوید لا رہا ہے یا غموں کا طوفانی ریلہ..... اپنوں کے بچھڑ جانے کا دکھ صرف چند لمحوں کا رونا نہیں یہ تو عمر بھر کا رونا ہے۔ خوشیوں کا موقع ہو یا غموں کے لمحات اپنے بچھڑے ہوئے بہت یاد آتے ہیں۔

12 اپریل اِک قیامت صغریٰ کا منظر، آسمان کیسا کیسا عجب رنگ دکھاتا ہے یا زمین کیسے دہلتی ہے اس دن سمجھ آئی۔ اچانک بالکل اچانک میرے بابا ہم سے بچھڑ گئے۔ جانے والے کب لوٹ کر آتے ہیں مگر اچھے لوگ کبھی بھلائے نہیں جاتے۔ میرے بابا تھے بھی ایسے ناقابلِ فراموش..... ہر اپنے پرائے کے مددگار اور سہارا، با اخلاق، نڈر، بے باک اور بے خوف، تن تنہا اپنے حاسدوں اور دشمنوں کے سامنے سینہ سپر رہنے والے۔ ہمیشہ ہمیں حق بات کہنے کی نصیحت کرنے والے۔ آج ہم بہن بھائی جس مقام پر ہیں وہ والدین کی ہی دعائیں اور محنت ہیں۔ ہم بیٹیوں کو کبھی بابا نے بیٹوں سے کم نہیں سمجھا۔ بلکہ ہمیشہ فوقیت دی۔ امی سے اکثر باتیں چھپا جاتی تھیں ہم بہنیں مگر بابا کو اپنی جگہ صورتِ حال سے آگاہ کردیتے تھے ہم بیٹیوں کو جو مان، اعتبار بابا نے دیا میری دعا ہے کہ وہ مان، اعتبار، محبت ہم سدا قائم رکھ سکیں۔ میگزین میں میرا لکھا ہوا جب بھی پبلش ہوتا خوشی و مسرت سے ان کا چہرہ دمک جاتا تھا میرا نام پڑھ کر..... ہر ماہ باقاعدگی سے میرے خطوط ارسال کرتے۔ مجھے خود میگزین لا کر دیتے۔ ہمارا معاشرہ وہ معاشرہ جہاں ڈائجسٹوں کو پڑھنا حقارت کی نظر سے دیکھا جاتا ہے، جہاں بیٹیاں پڑھی لکھی ہونا فضول خیال کیا جاتا ہے ایسے معاشرے کا مقابلہ کرنے والے میرے بابا اپنی ذات میں منفرد ایسے ہی منفرد تھے اپنی تمام فیملی سے یکسر مختلف اور جیسا ہم اولاد کو چاہا امی کی تربیت خاص کی وجہ سے ہم بھی ویسے ہی سامنے آئے میری کتاب اثاثۂ زیست کی اشاعت کے سلسلے میں بابا نے مجھے بہت سپورٹ کیا تھا اور ان کی خوشی دیدنی تھی۔

ہر اِک کو خوشی سے بطورِ تحفہ دیتے کہ یہ میری بیٹی نے لکھی ہے اور ہر اِک حیران کہ ایسے معاشرے میں اتنی کم عمری میں اتنی پختہ شاعری کیسے ممکن.....

بابا جان ہمارے درمیان نہ ہو کر بھی ہمیشہ حیات رہیں گے۔ میری آپ سے گزارش ہے کہ میرے بابا کے لیے دعائے مغفرت فرمائیں اور دعا کریں اللہ پاک ہم اولاد کو ان کے نقشِ قدم پر چلنے کی توفیق عطا فرمائے، آمین۔

طلبگارِ دعا، سامعہ ملک پرویز، بھیرہ خان پور ہزارہ

BOOKS BANK
http://bookbankpk.blogspot.com/

دس سالہ بچی کی طرف دیکھا تھا جو ہنوز پُرشوق نگاہوں سے فاطمہ کی طرف دیکھتی سرخ گلابوں کی ٹوکری اٹھائے کھڑی تھی۔

اس نے سرخ فراک پہن رکھی تھی۔ بالوں میں سرخ ربن لگا رکھے تھے۔ ہاتھوں میں سرخ گلاب پکڑ رکھے تھے۔ اور اس کی آنکھوں میں آس چمک رہی تھی۔ جیسے فاطمہ خود چل کر اس کے پاس آئے گی۔ جیسے فاطمہ عون اور محمد کی طرح اسے خود سے لپٹا لے گی..... اسے بہت پیار کرے گی۔

وہ آنکھوں میں ستاروں کی چمک لیے اسے ہی دیکھ رہی تھی..... وہ چھوٹی سی بچی نہیں..... ''حورعین'' کھڑی تھی۔ اتنی ہی حسین، مہکتی، خوب صورت کہ نگاہ ٹھہرتی اور جم جاتی..... پھر ہٹتی ہی نہیں..... فاطمہ کو جیسے سانپ سونگھ گیا تھا۔ اس کے قدم ہڈسن پارک کے اس تین منزلہ ریسٹورنٹ کے فرش نے پکڑ لیے تھے۔ وہ اپنی جگہ پر جیسے جم گئی تھی۔ اس کی سانس تک رک گئی تھی۔ رگوں میں گردش کرتا لہو جیسے جم گیا تھا۔

پھر یوں لگا جیسے در و دیوار گھوم رہے ہیں۔ جیسے زمان و مکان بھول رہے ہیں۔ فاطمہ کی آنکھوں کے سامنے اندھیرا چھانے لگا تھا۔ عین ممکن تھا کہ وہ چکرا کر گر پڑتی۔ معاً وہ بچی چلتی ہوئی فاطمہ کے قریب آئی۔ اس کی چال میں شہزادیوں کی سی نزاکت تھی، اس کی آنکھوں میں معصومیت تھی، دل کشی تھی، وہ حورعین کی حمنہ تھی..... حورعین جیسی نازک، حسین، دلفریب، ویسی ہی نزاکتوں والی..... فاطمہ کو دوسرا جھٹکا تب لگا تھا جب بچی نے پھولوں کی ٹوکری اس کے پیروں میں رکھی تھی۔ پھر دوسرے ہی لمحے وہ فاطمہ کی ٹانگوں سے لپٹ گئی۔ ایسا والہانہ انداز تھا کہ فاطمہ کا دل بیٹھ گیا۔

حورعین کی بیٹی کا یہ والہانہ انداز اس کے دماغ کی چولیں ہلا گیا تھا۔ اس کے سر پر ریسٹورنٹ کی چھت آن گری..... وہ ننھی بچی نہیں کسی ماہر رقاصہ کی طرح گول، گول گھوم کر گیت سنا رہی تھی۔

پھر وہ گیت کے اختتام پر کورنش بجالائی..... اور بعد میں اس کا ہاتھ چوم کر کہا۔

''ویلکم ان ڈریم لینڈ ماما۔'' امر، عون اور محمد تالی بجا کر اس کی پزیرائی کرنے کی کوشش میں اسی کے انداز میں کورنش بجالائے تھے۔ پھر امر کی بیوی آمنہ نے اسے گلابوں کا بوکے دیا۔

اگر دیکھا جاتا تو ایسا استقبال بہنوں کا ہی ہوتا ہے اور فاطمہ کا تو دلہن بن کر بھی نہیں ہوا تھا۔ جب وہ فلوریڈا اسے دلہن بن کر ماموں کے گھر آئی تھی۔ اس وقت کو وہ سوچنا بھی نہیں چاہتی تھی۔

وہ حورعین کی بیٹی حمنہ کو دیکھ کر اس قدر شاکڈ تھی کہ ہاتھ بڑھا کر اس کے بالوں کو سہلا بھی نہیں سکی۔ ویسے بھی حمنہ کی طرف اس کا ہاتھ بڑھ ہی نہیں سکا تھا۔ اس کا ظرف اور دل تنگ پڑ گیا..... وہ حمنہ کی پزیرائی نہیں کر سکی۔ کیونکہ وہ حمنہ کی پزیرائی کرنا ہی نہیں چاہتی تھی پھر فاطمہ نے پورا رستہ دیکھا ہی نہیں اس ننھی بچی کا چہرہ بجھ گیا تھا۔ اور اس کی چمکتی آنکھوں میں اندھیرا اتر آیا تھا۔ سپر لگژری کیبن میں موجود کسی بھی فرد نے دھیان نہیں دیا تھا۔ حورعین کی بیٹی سب سے نظر بچا کر چپکے، چپکے آنسو بہا رہی تھی۔

☆☆☆

''اگر آپ سب کچھ کھو چکے ہیں تو مایوس ہونے کی ضرورت نہیں..... کیونکہ جو سب کچھ کھو دیتا ہے اس کے پاس پانے کے لیے پوری دنیا ہوتی ہے۔''

خالہ نے ایک مرتبہ فاطمہ کو بڑے جذب کے ساتھ سمجھایا تھا۔ اس وقت فاطمہ کو خالہ کی یہ بات سمجھ میں نہیں آئی تھی۔ دراصل وہ وقت انتہائی مایوس کن تھا..... فاطمہ کو کوئی روزن دکھائی نہیں دیتا تھا۔ کوئی رستہ نظر نہیں آتا تھا۔ وہ خود کو ایک بند گلی میں کھڑا پاتی تھی۔ جہاں پہ نہ کوئی کھڑکی تھی نہ کوئی دروازہ..... نہ روشنی تھی نہ ہوا..... وہ سب کچھ لٹا کر آئی تھی..... وہ اپنا قیمتی سرمایہ ہار کر آئی تھی۔ اس کا صدمہ، اس کا غم کوئی معمولی نہیں تھا۔ زندگی میں ہار جانا اتنا اذیت ناک نہیں ہوتا، جس قدر ٹھکرایا جانا دردناک ہوتا ہے۔

انسان ہار جانے کی ذلت بھول جاتا ہے مگر ٹھکرائے جانے کی ذلت بھلا نہیں پاتا۔

پھر فاطمہ کے تو دُہرے نقصان ہوئے تھے..... وہ دُہری اذیتوں میں مبتلا تھی..... اس کا گھر تو ٹوٹا ہی تھا، بچے بھی چھوٹ گئے..... اپنا وطن، جگہ اور جائے پیدائش تک چھوڑنا پڑی۔

وہ گھر سے بے گھر ہوگئی تھی۔ وطن سے بے وطن ہوگئی تھی۔ اس کے سارے رشتے دار اور تعلق ختم ہوگئے تھے یہاں تک کہ بچے بھی بچھڑ گئے تھے۔

تب خالہ تڑپ کر راتوں کو روتی ہوئی فاطمہ کو ایک چیز سمجھاتی تھیں۔

''یہ زندگی ہماری خواہشات کے مطابق نہیں ہوتی..... جہاں ہماری پسند کی چیز ہمیں میسر نہ آئے یا کھو جائے..... صبر وہاں کام آتا ہے۔'' خالہ جب تک زندہ رہیں اسے صبر کے سبق ہی پڑھاتی رہی تھیں۔ اور صبر تھا کہ آتا ہی نہیں تھا..... بہت سال وہ صبر کرنے کی کوشش میں لگی رہی۔ صبر کی رمزیں سیکھتی، صبر کا قرینہ سیکھتی..... پھر بھی صبر سمجھ میں نہیں آتا تھا پھر جب بہت سا وقت گزر گیا..... ماہ و سال کا شمار کرنا ترک کیا۔ رستے زخموں پر پھاہے رکھے تو صبر کی پہلی خود بخود سمجھ میں آگئی۔ اس نے صبر کو بچھونا بھی بنایا اور اوڑھ بھی لیا..... سو زندگی کے دن ویران ہی سہی مگر گزرتے چلے گئے۔ اسے پتا ہی نہیں چلا اور وقت اتنا آگے نکل گیا۔ زندگی کے اتنے سال چپکے سے نکل گئے..... وہ پوروں پر حساب رکھتی تو اس کی شادی کو قریب چودہ سال ہو چکے تھے اور علیحدگی کو دس سال.....

وہ پورے دس سال بعد ایک مرتبہ پھر ماموں کے اسی کاٹیج میں گھوم رہی تھی۔ جس کے چپے، چپے پر اذیت یادیں بکھری تھیں۔ فاطمہ کے آنسو بکھرے تھے۔ اس کی آہیں بکھری تھیں۔

یہ ماموں کا وہی کاٹیج تھا جو اس کے لیے برزخ کے سوا کچھ نہیں تھا۔ آج اسی کاٹیج میں فاطمہ پورے استحقاق سے گھومتی تھی اور کوئی اسے ٹوکنے والا نہیں ہوتا تھا۔

ماموں تو پہلے بھی مداخلت نہیں کرتے تھے..... ہاں مامی اور ماہر تو تھے ناں..... جو اس کے لیے سراپا جلاد تھے۔ وہی ماہر اسے دیکھ کر اتنا حیران ہوا کہ بولنا ہی بھول گیا۔ شاید اس کے گمان میں تھا۔ فاطمہ مڑ کر آئے گی ہی نہیں..... اور شاید فاطمہ کبھی نہ آتی۔ عمر بھر کے لیے اس پر لعنت بھیج دیتی۔

اگر وہ صرف ماہر کی بیوی ہوتی تو کبھی بھی اس گھر پر تھوکتی بھی نہیں۔ فاطمہ کو لوٹنا تو اس لیے پڑا تھا کہ وہ اپنے بیٹوں سے مزید جدائی برداشت نہیں کر سکتی تھی۔

اس کے رستوں میں عون اور محمد کھڑے تھے۔ وہ کس، کس موڑ پر انہیں نظر انداز کرتی؟ وہ کس، کس موڑ پر انہیں دیکھ کر منہ موڑ لیتی؟ یہ کام ایک سنگ دل باپ تو کر سکتا ہے مگر ایک مرمٹ جانے والی ماں نہیں کر سکتی۔

اور آج پورے دس سال بعد وہ پھر ماہر کی راج دھانی میں موجود تھی..... اور پورے اعتماد اور استحقاق کے ساتھ تھی کیونکہ پہلے اور اب کے وقت میں، سورج اور چاند جتنا فرق تھا..... دھوپ اور بادلوں جتنا فرق تھا۔ رات اور دن جتنا فرق تھا۔

حتیٰ کہ مامی بھی اس کے کسی کام میں مداخلت نہیں کرتی تھیں۔ وہ جو مرضی کرتی جیسی مرضی کوکنگ کرتی، ناپسندیدگی یا تنقید کا تو سوال ہی نہیں پیدا ہوتا اور ماہر بھی خاموش ہی رہتا۔

فاطمہ کو وہ وقت بھی یاد تھا جب ایک صبح اس نے ناشتے کی میز سجا کر مامی اور ماہر کو آواز دی تھی۔ وہ شادی کی پانچویں صبح تھی۔ کوکنگ میں اس کا پہلا تجربہ تھا۔ وہ بہت محنت و خلوص سے ناشتا بنا رہی تھی۔

گو کہ اسے یہ سمجھ بوجھ نہیں تھی کہ ماہر کے دل کا رستہ نہ معدے سے ہو کر آتا ہے اور نہ ہی کسی اور سمت سے..... وہ بس بڑی لگن سے ناشتا بنا رہی تھی۔ بالکل اپنی ماں کی طرح..... اس کی ماں بھی پاپا کے لیے اتنی ہی لگن سے ناشتا بناتی تھیں لیکن پاپا کا رویہ ممی سے بڑا ہتک آمیز ہوتا تھا۔ وہ کھانے کی پوری ٹرے کو جب دل چاہتا الٹ دیتے تھے۔ فلوریڈا میں اس کی ممی کے گھر

BOOKS BANK
http://booksbankpk.blogspot.com

جیسا کوئی گھر نہیں ہوگا۔ اور اس کی ممی جیسی بھی کوئی ممی نہیں ہوں گی۔ فاطمہ کی ممی نے کبھی شوہر کی مار پیٹ اور بدتمیزی پر مشتعل ہو کر پولیس نہیں بلوائی تھی۔ کم از کم فاطمہ نے اپنے ہوش میں کبھی ایسا نہیں دیکھا تھا۔

اس طرح پاپا کے جیسا کوئی بدتمیز شوہر فاطمہ نے پورے فلوریڈا میں نہیں دیکھا تھا۔ وہ سمجھتی تھی پوری دنیا میں صرف پاپا جیسا ایک ہی مرد ہے..... انتہائی ال مینرڈ..... اسے یہ خبر نہیں تھی کہ اس کے پاپا سے بڑھ کر بھی ایک مرد موجود ہے، جو اُن سے بدتہذیبی میں چار ہاتھ آگے تھا۔ پاپا غصے میں پوری ٹرے الٹ دیتے تھے اور ماہر غصے میں پوری میز الٹ دیا کرتا تھا۔ اس کا پہلا تجربہ فاطمہ کو شادی کے پانچویں روز ہوا تھا۔ جب ماہر کو ناشتا پسند نہیں آیا تھا۔ اس نے ایک، ایک چیز کو سونگھا اور میز الٹ دی۔ یہ حملہ اتنا اچانک تھا کہ فاطمہ سہم کر چیخ پڑی تھی۔ بے ساختہ اس کی آنکھوں سے آنسو نکل آئے تھے۔ پھر بھی ماہر کو رحم نہیں آیا تھا۔ وہ اگلے بیس منٹ تک چلّا رہا تھا۔ پھر اپنے میڈیکل اسکول چلا گیا۔ مامی آرام سے تماشا دیکھتی رہی تھیں۔ انہوں نے ماہر کو ٹوکا ہی نہیں تھا۔ الٹا ماہر کے جاتے ہی برس پڑیں۔

''کیا اتنا بدذائقہ کھانا پکاتی ہو؟ تبھی ماہر نے میز الٹ دی۔ تمہاری وجہ سے اتنا نقصان ہوا ہے۔ میز کا شیشہ بھی ٹوٹا اور برتن بھی..... تمہاری سزا ہے تم گھر کا سارا کام کرو گی، ڈرائیوے سے برف بھی ہٹاؤ گی۔'' یہ مامی نے محض ٹریلر دکھایا تھا۔ پھر پوری فلم تو ہنی مون سے پہلے ہی چل پڑی تھی۔ مامی کے نخریلے ماہر کو کچھ پسند نہیں آتا تھا۔ وہ پلیٹیں، گلاس، چمچے اٹھا، اٹھا کر نیچے پھینکتا تھا۔ غصے میں چلّاتا، گالیاں دیتا اور دہاڑتا رہتا تھا۔

پھر فاطمہ کو کچھ ہی عرصے بعد پتا چلا کہ ماہر کو اس کے ہاتھ کا کچھ بھی پسند نہیں تھا بلکہ سرے سے فاطمہ ہی پسند نہیں تھی۔ وہ اسے بھوتنی، کالی، بھدّی اور نہ جانے کیا، کیا کہتا تھا۔

سوچوں کا طویل سلسلہ اسے پھر سے بھٹکا رہا تھا۔ معاً وہ عون کی آواز پر حال کی دنیا میں لوٹی تھی۔

اس وقت سب فاطمہ کے ہاتھ کا بنا کھانا کھا رہے تھے۔ اس کے ہاتھ کا ذائقہ پہلے جیسا ہی تھا۔ شاید ان سب کے ٹیسٹ بدل گئے تھے۔

اس کے بچے تو بہت رغبت سے کھانا کھا ہی رہے تھے مامی اور ماہر بھی خاموشی سے کھاتے رہے..... بغیر ناک چڑھائے..... ماتھے پر شکن لائے بغیر.....

''شاید حورعین نے ماہر اور مامی کی عادتیں بدل دی تھیں۔'' اس نے تلخی کے ساتھ سوچا پھر خالی برتن اٹھا کر کچن میں چلی گئی۔

اسے دس سال بعد ایک مرتبہ پھر ماہر کی سلطنت میں آئے ہوئے آج آٹھواں دن تھا۔ وہ بہت جلد ہی اپنے بچوں کی پسند ناپسند کو جان گئی تھی۔ وہ کیا کھاتے تھے، کیا پہنتے تھے؟ فاطمہ کو چند دنوں میں ازبر ہو چکا تھا۔ وہ بڑی لگن، محنت اور چاہت سے کوکنگ کرتی رہی تھی۔ خالد نے اسے پاکستانی کھانوں میں بھی طاق کر دیا تھا۔ گو کہ وہ اب بھی بہت لذیذ کھانا نہیں بناتی تھی پھر بھی اس کے بچے بے انتہا تعریف کرتے تھے۔ یہ بھی ایک ایسی ہی سہ پہر تھی۔

وہ کچن میں کھانا بنانے میں مصروف تھی..... اس نے کریلوں کے ساتھ سبزی کا رائتہ بنایا تھا۔ اور سویٹ میں ایپل پائی..... عون اور محمد پاکستانی فوڈ کے زیادہ شوقین تھے۔

جب اس نے رات تک کا کھانا بنا لیا..... تب میز بھی سجا دی تھی۔ چاہے کچھ بھی ہو جاتا تھا، بچے ماہر کے بغیر کھانا نہیں کھاتے تھے۔ وہ اس کے انتظار میں بیٹھے رہتے۔ خاص طور پر حورعین کی حمنہ..... وہ تو پانی تک نہیں پیتی تھی۔ فاطمہ کو حیرانی ہوتی..... اپنی ماں والے سارے گُر اسے ازبر تھے۔ ساری اداؤں اور چالاکیوں سے واقف تھی۔ باپ کو کس، کس طرح خود تک محدود رکھنا ہے اپنی طرف متوجہ یا مصروف رکھنا ہے۔ وہ اتنی سی بالشت بھر کی لڑکی کو دیکھ، دیکھ کر حیران ہوتی تھی۔

جب اس نے ڈنر سرو کیا..... تب کریلوں کو دیکھ کر ایک مرتبہ تو ماہر کے چہرے پر استعجاب اترا تھا اسی

طرح حمنہ کے تاثرات میں بھی ناپسندیدگی نظر آئی۔ جبکہ عون اور محمد کے ساتھ مامی بھی بے نیازی سے کھانا کھا رہی تھیں۔ گویا انہیں بھی کھانے پر اعتراض نہیں تھا۔ پھر ماہر اور حمنہ کے تاثرات ایسے کیوں تھے؟ فاطمہ کو اندر ہی اندر کھد بدی ہوئی..... لیکن وہ ماہر کے سامنے اسے مخاطب کرنا نہیں چاہتی تھی۔

بیٹی کو بے دلی سے کھانا کھاتے دیکھ کر ماہر سے رہا نہیں گیا..... اور شاید اس کی آمد کے پچیسویں دن ماہر نے خود فاطمہ کو مخاطب کیا تھا وہ بھی اپنی نخریلی بیٹی کے لیے..... فاطمہ کے اعصاب کھنچ سے گئے تھے۔

''اس کو چیز آملیٹ بنا دو.....'' ماہر نے حمنہ کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا..... وہ مخاطب فاطمہ سے تھا مگر دیکھ حمنہ کی طرف رہا تھا۔ حمنہ بھوکی رہے..... یہ اسے گوارا کہاں تھا..... کیونکہ وہ جانتا تھا حمنہ نان ویجیٹیرین ہے۔ اسے سبزیاں پسند نہیں تھیں جبکہ ماہر دیکھتا تھا لنچ یا ڈنر میں سبزی ضرور ہوتی تھی..... اور اس کے ساتھ ہی کوئی اضافی آئٹم نہیں ہوتا تھا۔ حمنہ بنا ناپسندیدگی دکھائے چپ چاپ کھانا کھا لیتی تھی..... یہ اس کی بہت اچھی عادت تھی۔ وہ کوئی نخرہ یا اعتراض نہیں کرتی تھی لیکن حمنہ خود پر جبر کرے؟ یہ ماہر کی برداشت سے باہر تھا۔

اتنے دن ہو چکے تھے..... وہ خود سب دیکھ رہا تھا فاطمہ، عون اور محمد سے مینیو پوچھتی تھی۔ ان کی پسند کا کھانا بناتی تھی مگر حمنہ سے کچھ بھی پوچھنے کا تردد اس نے کبھی نہیں کیا تھا۔ اور نہ ہی حمنہ نے خفگی دکھائی تھی۔ نہ باپ سے شکایت کی..... وہ ایسی ہی فرمانبردار بچی تھی۔ وہ بہت امن پسند بچی تھی۔ لڑائی جھگڑے سے دور رہتی..... اسے پتا تھا وہ باپ سے شکایت کرے گی تو گھر میں لڑائی ہوگی۔

جب مامی، عون اور محمد اٹھ کر چلے گئے تب ایک مرتبہ ماہر نے فاطمہ سے کہا۔

''حمنہ کو کچھ بنا دو..... وہ بھوکی رہے گی..... کھانا نہیں کھا رہی..... اسے سبزی پسند نہیں آئی۔'' ماہر کی آواز سن کر ایک مرتبہ پھر اس نے سر اٹھا کر دیکھا تھا۔ حمنہ سر جھکائے بیٹھی تھی اور وہ فاطمہ کو پوری ایکٹر لگ رہی تھی۔

وہ غائب دماغی سے ماہر کو دیکھتی رہی۔ جیسے اس کی بات سمجھنا چاہ رہی ہو..... ماہر اندر ہی اندر زچ سا ہونے لگا۔ تاہم اس نے کہا کچھ نہیں تھا۔

''حورعین نان ویجیٹیرین ہے، مجھے پتا نہیں تھا..... نہ اس نے کبھی بتایا۔'' فاطمہ نے خاصی سنجیدگی دکھائی۔ ماہر پانی پیتے، پیتے چونک گیا۔

''حورعین؟'' اس کی آنکھوں میں استعجاب اتر آیا تھا۔ پھر اس نے حمنہ کی طرف دیکھ کر جتلایا۔

''حورعین نہیں، حمنہ..... اس کا نام حمنہ ہے۔''

''اچھا..... میرے ذہن سے نکل گیا.....'' فاطمہ نے غائب دماغی سے سر جھٹک دیا تھا۔ ماہر کے ہونٹوں پر طنز پھسل پڑا۔

''تمہارے حواسوں پر حورعین ہی سوار ہے۔ اور ہمیشہ سے سوار ہے۔''

''اور آپ کے؟'' اس کا سوال بڑا کرارا قسم کا تھا کچن کی طرف بڑھتا ماہر لمحے بھر کے لیے رک گیا۔

''ظاہر ہے میرے بھی۔'' وہ کچھ اور جواب دینا چاہتا تھا مگر بات بدل گیا۔ اچھا تھا گلستی رہتی۔ اتنا نخرہ دکھا رہی تھی حد نہیں..... ایک آملیٹ بنانا تھا یا ہڈسن میں تیرنا تھا..... حد تھی اور واقعی حد تھی..... وہ غصے میں فرائنگ پین میں آئل ڈالنے لگا۔

اور فاطمہ جہاں کی تہاں کھڑی رہ گئی تھی۔

تو وہ آج تک اور ابھی تک حورعین کا ہی اسیر تھا۔ اسی کا عاشق، اسی کے عشق میں گرفتار..... فاطمہ کے اندر الاؤ بھڑکنے لگا تھا، شعلے پھیلنے لگے تھے اور حورعین آج بھی ان کے درمیان تن کے کھڑی تھی۔ کسی پہاڑ کے مانند جسے عبور کرنا کم از کم فاطمہ کے بس کا کمال نہیں تھا۔ اس کے پورے وجود پہ تھکن اتر آئی۔ افسردگی اتر آئی۔ رنجیدگی اتر آئی۔ دل چاہ رہا تھا۔ واپس کسی اندھے رستے کی طرف مڑے اور کھائی میں

BOOKSBANK
http://booksbank.blogspot.com/

جاگرے یا کسی دریا میں کود جائے۔ جہاں نہ ماہر ہو اور نہ ماہر کی حورعین.....

یہ دونوں فاطمہ کی زندگی کے ناسور تھے۔ عذاب تھے، زخم تھے، نا آسودگی کا برزخ تھے۔ وہ جانے کب تک برف کے مانند جمی رہتی۔ معاً حمنہ کی آواز نے اسے چونکا دیا تھا۔

''ماما! ڈیڈی کو چیز آملیٹ نہیں بنانا آتا..... وہ کنفیوزڈ ہیں۔'' حمنہ نے بھیگی نمناک آواز میں کہا تھا۔ جیسے باپ کی مشکل پر وہ سخت بے چین تھی۔ فاطمہ اچھی بھلی ششدر رہ گئی تھی۔ کیونکہ حمنہ کا انداز انتہائی شائستہ تھا، وہ اتنی سی بچی کی حسیات پر سخت متعجب تھی۔

فاطمہ نے چونک کر اوپن کچن میں دیکھا..... فرائنگ پین جل، جل کر خاک ہو رہا تھا۔ اور ماہر جانے کون سا مسئلہ حل کرنے کے لیے سوچوں میں مستغرق تھا۔

فاطمہ نے لمحہ بھر کے لیے سوچا اور پھر حمنہ کو بری طرح سے جھڑک دیا۔

''اتنا باپ کا خیال ہے تو خود کرلو..... میری جان چھوڑو..... میں تمہارے باپ کی نوکر نہیں.....'' اس کی آواز نہ چاہتے ہوئے بھی بلند ہوگئی تھی۔ یوں کہ ماہر تک ٹھٹک کر مڑا تھا اور حمنہ بھی ڈر کر سہم گئی تھی۔ اس کا انداز خاصا جارحانہ تھا۔

ماہر کی چبھتی نگاہوں کی تپش پا کر وہ الٹے قدموں اپنے کمرے میں آگئی تھی۔ جاتے، جاتے اس نے حمنہ کے چکنے گلابی گالوں پر آنسو بکھرتے دیکھے تھے۔ لمحے بھر کے لیے فاطمہ کو اپنے رو ڈرو تے پر افسوس ہوا پھر وہ سر جھٹک کر اندر چلی گئی کیونکہ ماہر کی نظروں میں کچھ ایسا تاثر ضرور تھا کہ جس نے فاطمہ کے دل کو اٹکا دیا۔ جیسے اسے امید نہیں تھی کہ فاطمہ، حمنہ کے ساتھ اتنا روڈ بی ہیویئر رکھے گی۔

پھر اس ساری رات فاطمہ کو نیند نہیں آئی۔ وہ پوری رات جاگتی رہی، سوچتی رہی..... جیسے ضمیر کی چبھن کا شکار ہو جیسے ساری رات حمنہ کے آنسو اسے بے چین کرتے رہے ہوں۔ پھر بھی وہ حورعین کی طرح خود کو کٹھور ہونے کا درس دے کر مضبوط کرتی رہی تھی۔ آخر حورعین نے گیارہ سال اس کے شوہر پر قبضہ جما کر اسے جلاوطن کیے رکھا تھا۔ اگر حورعین بے حس تھی تو فاطمہ بھی اس کی بیٹی کے لیے اتنی ہی بے حس ہو سکتی تھی۔

☆☆☆

چودہ سال پہلے وہ فلوریڈا سے نیویارک آئی تھی۔ پھر چار سال سے بھی کم مدت کے بعد ذلت اور رسوائیوں کے داغ لے کر پاکستان چلی گئی۔

اس نے پاکستان جانے کا فیصلہ کیوں کیا تھا؟ وہ فلوریڈا واپس کیوں نہیں گئی؟ فاطمہ آج بھی اسی سوال کے گرد گھومتی تھی۔

ماہر کی بے وفائی کا صدمہ لے کر اسے فلوریڈا جانے سے امر نے روکا تھا۔ وہی تو تھا جس نے بھاگ دوڑ کر کے فاطمہ کا پاسپورٹ بنوایا تھا۔ پاکستان کا ویزا لگوایا تھا۔

یہ امر کی خواہش تھی کہ فاطمہ پاکستان چلی جائے..... وہاں جا کر حورعین کی ماں یعنی اپنی خالہ کو اس کے کرتوت بتائے..... کیا خبر اس کی ویران اور اجڑی زندگی کی کہانی سن کر خالہ کو جلال آجائے..... وہ امریکا پہنچ کر ماہر اور حورعین کی طلاق کروا دیں۔

تب فاطمہ کو بھی یہی مناسب لگا تھا..... پھر فلوریڈا میں اس کا کوئی ٹھکانا بھی نہیں تھا۔ اپنے بے حس باپ کے پاس وہ جانا نہیں چاہتی تھی۔ ویسے بھی تعلیم اس کے پاس نہیں تھی۔ ہنر کوئی آتا نہیں تھا۔ نہ کوئی جاب تھی، نہ فنانشلی اسٹرانگ پوزیشن تھی..... اسے پتا تھا کہ پاکستان میں اس کی خالہ بہت امیر ہیں..... کم از کم فاطمہ کو رہنے کے لیے چھت اور عزت کی روٹی تو ضرور ملے گی۔ اس سے زیادہ کی اسے چاہ نہیں تھی۔

وہ پاکستان تو چلی آئی..... خالہ کو اپنی دردناک کہانی بھی سنائی۔ خالہ نے اس غم کو سر پر سوار بھی بہت کیا..... اسپتال جا پڑیں۔ حورعین سے قطع تعلقی کرلی..... اور قسم کھائی کہ زندگی بھر اس سے کلام

نہیں کریں گی..... حالانکہ فاطمہ نے بہت زور دیا تھا۔ بہت کوشش کی..... خالہ امریکا جائیں..... بیٹی سے پوچھیں..... اسے غیرت دلوائیں..... ماہر کو مجبور کریں، وہ اسے طلاق دے..... مگر ایسا کچھ بھی نہیں ہوا تھا۔ خالہ نے حورعین سے بات ضرور کی تھی مگر اس کے بعد وہ چپ سی ہوگئی تھیں۔

انہوں نے پھر حورعین کو برا بھلا نہیں کہا تھا۔ بلکہ ایک چپ کی بکل میں گم ہوگئیں۔ فاطمہ نے لاکھ سر پیٹا مگر جواب ندارد تھا۔ وہ اسے صبر کرنے کا بس مشورہ دیا کرتی تھیں۔

حالانکہ امر بھائی کے کہنے پر فاطمہ نے رو، رو کر سارا واقعہ بار بار خالہ کو سنایا تھا۔

''صرف اپنے عشق کی آگ بجھانے کی خاطر ماہر نے مجھے بدکردار کہا..... عیاش کہا..... کال گرل کہا..... اور بچے چھین کر مجھے گھر سے نکال دیا..... مجھے ہر رشتے سے بے دخل کر دیا..... صرف اس حورعین کی وجہ سے..... آپ کی بیٹی نے میرا گھر اجاڑ دیا.....'' وہ ساری، ساری رات روتی اور تڑپتی تھی..... اسے غم کے لمبے، لمبے دورے پڑتے..... بہت سال وہ دنیا سے کٹی رہی..... یہ خالہ کی کوششیں اور بددعائیں تھیں جو رنگ لائی تھیں اور فاطمہ بہت سال کے بعد کچھ سنبھل گئی تھی۔

اس وقت وہ کاٹیج کی سیڑھیوں پر کھڑی تھی۔ یہاں سے امریکی ہائی وے کا منظر صاف دکھائی دیتا تھا۔ دنیا کا بہترین ٹریفک نظام امریکا میں دکھائی دیتا۔ جگہ، جگہ سائن بورڈوں پر شہروں، قصبوں اور ریاستوں کے میں بارے میں لکھا ہے۔ کوئی بھی اجنبی محض نقشے کی مدد سے پورے امریکا کی سیر کر سکتا ہے۔ کسی سے رستہ پوچھنے کی بھی ضرورت نہیں۔

لیکن فاطمہ ایک ایسی امریکی لڑکی تھی جو نقشے کو پکڑ کر بھی اجنبیوں سے اپنے ہی گھر کا رستہ پوچھتی پھرتی..... چاہے کوئی ٹھیک بتاتا یا غلط..... فاطمہ کو اندھا دھند دوسروں کی انگلی پکڑ کر چلنے کی عادت تھی..... ایک بات تو سچ تھی..... اس نے کبھی اپنی عقل کا استعمال

امریکا کے ایک ممتاز ماہرِ نفسیات ڈاکٹر ولیم فیری نے اپنی طویل تحقیق کے بعد انکشاف کیا ہے کہ آنسوؤں کا انسان کی صحت کے ساتھ گہرا تعلق ہے۔ ان کی تحقیق کے نتیجے میں یہ بات ظاہر ہوگئی ہے کہ جذباتی دباؤ کے وقت انسانی جسم میں تبدیلیاں رونما ہوتی ہیں اور جسم کے اندر مختلف غدودوں سے خاص مواد نکل کر خون میں شامل ہو جاتا ہے اور شاید یہی وجہ ہے کہ رونے کے بعد انسان خود کو ہلکا پھلکا محسوس کرتا ہے۔ ڈاکٹر فیری کا خیال ہے کہ جذباتی دباؤ کے نتیجے میں جسم میں کیمیاوی عمل ہوتا ہے۔ وہ آنسوؤں کے ذریعے زائل ہو جاتا ہے۔ چنانچہ جو لوگ روتے نہیں ہیں وہ مختلف قسم کے امراض میں بالخصوص السر کا شکار ہو جاتے ہیں۔ ڈاکٹر فیری نے تحقیق کی ہے کہ عورتوں کی نسبت مرد زیادہ السر کے مریض ہوتے ہیں۔ انہوں نے کہا ہے کہ جذباتی آنسو، پیاز کے ذریعے بہنے والے آنسوؤں سے کیمیاوی طور پر مختلف ہوتے ہیں۔ ڈاکٹر فیری نے سو افراد کو پیسے دے کر ان کے آنسو حاصل کیے اور ان پر مختلف تجربے کیے ہیں۔

مرسلہ: ماریہ عقیل، لاہور

نہیں کیا تھا۔ اسی لیے ماہر اپنی ماں پر چلّا تا رہتا تھا۔

''کس احمق اور بدھو کو میرے ساتھ باندھ دیا..... اس میں عقل نام کی نہیں..... اتنی احمق اور گاؤدی ہے..... کسی بات کا پتا نہیں چلتا..... فلوریڈین گائے ہے۔'' ماہر کی بازگشت آج بھی فاطمہ کو سالوں پیچھے لے جاتی تھی۔ تب بھی وہ احساسِ توہین پر رو پڑتی..... چیخ اٹھتی اور پاگل ہو جاتی تھی۔

اور جب وہ صدمے کی انتہا پر بھاں، بھاں کر کے روتی تب بھی ماہر کا پارہ آسمان پر چڑھ جاتا..... ''اس کو رونے کا بھی سلیقہ نہیں..... کوئی ایسے

BOOKS BANK pk.blogspot.com
http://bookbankpk.blogspot.com/

روتا ہے؟ آخر حورعین بھی تو ہے ناں..... وہ تو ایسی نہیں..... وہ تو بالکل ایسی نہیں..... آپ کو یہ الو کی دم ملی تھی میرے لیے..... کیا حورعین دکھائی نہیں دی.....؟'' ماہر جب بولنے پر آتا تو ذرا بھی لحاظ نہیں رکھتا تھا۔ ایسے، ایسے فضول الفاظ کا استعمال کرتا تھا کہ بندہ مٹی تلے گھس جانے کی خواہش کرنے لگتا۔

پھر ماہر کو اس کی عمر پر بھی اعتراض تھا۔ اسے میچورڈ لڑکیاں پسند تھیں۔ حورعین جیسی..... فاطمہ کم عمر تھی..... اسے ڈریسنگ کرنے کا، کوکنگ کا، گھر سنوارنے اور شوہر کا دل جیت لینے کا طریقہ نہیں آتا تھا۔ جانے وہ کون عورتیں ہوتی ہیں جنہوں نے اتنے، اتنے دیوہیکل شوہروں کو بھی دام میں کر رکھا ہوتا ہے۔ ایک فاطمہ تھی اسے شوہر کے چہرے پر مسکراہٹ لانے کا بھی طریقہ نہیں آتا تھا۔

اوپر سے مامی اس کی انسلٹ پہ بہت خوش ہوتی تھیں۔ اصل میں حورعین انہیں بھی پسند تھی اور فاطمہ کی پوری فیملی کو وہ سخت ناپسند کرتی تھیں۔ شاید اس کے پاپا کی وجہ سے ورنہ اس کی ممی تو آئیڈیل ماں بلکہ آئیڈیل عورت تھیں۔ صوم وصلوٰۃ کی پابند، شرمیلی، نیک اور دبو..... انہوں نے فاطمہ کی تربیت بھی ایسی ہی کی تھی' یہ خبر نہیں تھی کہ ان کے بھتیجے کو ایسی لڑکیوں سے انتہائی چڑ اور نفرت تھی۔

وہ با اعتماد اور باوقار لڑکیوں کو پسند کرتا تھا۔ جو سو برہوں، دھیما بولیں، کسی بھی پرابلم کو سولو کرنے کے پہلو سوچیں ناں کہ چیخ، چیخ کر سارا گھر سر پر اٹھالیں۔ اسے جذباتی اور اعصابی طور پر مضبوط، پاور فل اور اسٹرانگ خواتین اچھی لگتی تھیں جبکہ فاطمہ میں ایسی کوئی بھی خوبی نہیں تھی۔

وہ خود سے کوئی بھی فیصلہ نہیں کر پاتی تھی۔ اگر کوئی اسے مشورہ دیتا، اچھا یا برا تو وہ اس پر آنکھ بند کر کے اعتبار کر لیتی..... دل و جان سے عمل کرنے کی کوشش کرتی..... خود سے اس کے اچھے، برے پہلو پر غور نہیں کرتی تھی۔

اس کی ممی نے بہت حد تک اسے محتاج بنا ڈالا تھا۔ وہ کبھی اکیلی گھر سے اسکول تک نہیں گئی تھی۔ ممی نے اسے سہیلیاں بھی بنانے نہیں دیں۔ اسے اسٹور تک جانے کی اجازت نہیں تھی۔ اپنے تئیں ممی اسے ارد گرد کے بے باک ماحول کی پرچھائیوں سے دور رکھتی تھیں۔ یہ خبر نہیں تھی کہ بیٹی میں اعتماد ختم ہوتا جا رہا ہے۔ وہ ماہر جیسے بندے کے ساتھ کس طرح سے رہے گی؟ کیسے گزارہ کرے گی؟ نیویارک کی کھلی سڑکوں کو دیکھتی وہ فلوریڈا میں ممی کے پہلو سے جا چپکی.....

''اُف یادیں اور رُلا دینے والی یادیں.....'' ممی کی یاد نے اسے نمناک کر دیا تھا۔ جیسے ہی اس نے گردن گھمائی پیچھے ماہر کو کھڑا دیکھ کر حواس باختہ ہونے کے بجائے اکڑ گئی۔

وہ سمجھ گئی تھی کہ ماہر اس کی تلخ کلامی پر باز پرس کرنے آیا ہے۔ مگر وہ ہوتا ہے کون تھا باز پرس کرنے والا؟ دس سال پہلے اس کی ناک تلے عشق کا کھیل رچا کر، اپنی محبوبہ سے ایک بچی پیدا کر کے آج بھی اتنا تن کے کھڑا تھا۔ جیسے اسے اپنے کسی بھی عمل پر پشیمانی نہیں تھی۔

جیسے اسے اپنی پہلی بیوی کو گھر سے دھتکارنے اور بچے چھین لینے پر کوئی ندامت نہیں تھی۔ اگر وہ اپنے بچوں کی خاطر اعلیٰ ظرفی کا مظاہرہ کرتے ہوئے آ ہی گئی تھی تو کم از کم ماہر کا فرض تو بنتا تھا۔ فقط ایک لفظ معذرت اور شرمندگی کا اس کی سماعتوں میں اتار دیتا لیکن فاطمہ کو لگتا وہ اس کے لوٹ آنے پر کچھ اور اکڑو خان بن گیا تھا..... اندر ہی اندر جانے کتنا مسرور ہے..... ایک بیوی کو دھتکار کر، دوسری شادی بھی رچالی..... بیٹی بھی ہوگئی..... اور محبوبہ کے مر جانے کے بعد پہلی بیوی نے گھر بھی آ کے سنبھال لیا..... کتنے مزے تھے ان مردوں کے جو یورپی ہوتے ہیں یا پاکستانی..... ویسے بھی پاکستانی مغرب کے ماحول میں پیدا ہو کر بھی ذہنی طور پر رہتے پاکستانی ہی ہیں، وہی بیویوں کو نیچا دکھانے والی پرانی اور گھٹیا برصغیرانہ غلام قسم

کی سوچ.....

اس وقت فاطمہ اندر ہی اندر پیچ و تاب کھاتے ہوئے ماہر کے بولنے کا انتظار کر رہی تھی۔ پھر کافی دیر بعد ماہر کو خود ہی بولنا پڑا..... شاید وہ فاطمہ کی پہل کا انتظار کر رہا تھا۔

''حمنہ کے ساتھ اتنا روڈلی بی ہیو کرنے کی وجہ پوچھ سکتا ہوں؟'' وہ جینز کی جیبوں میں ہاتھ ڈال کر بہت کڑے تیوروں کے ساتھ پوچھ رہا تھا۔ فاطمہ کے اعصاب بھی تن گئے تھے۔ حمنہ کے لیے اس کی چاہت پہ وہ شدید جلن محسوس کر رہی تھی۔ حالانکہ ایک بچی سے کیا حسد کرنا؟ لیکن وہ اپنی کیفیات سمجھ نہیں پا رہی تھی۔

''میں ایسی ہی ہوں۔'' اس نے اپنے تئیں بڑا تنک کر کہا تھا..... ماہر کو شاید ایسے جواب کی توقع نہیں تھی۔ وہ لمحے بھر کے لیے چپ کر گیا تھا۔

''میں تو سمجھا تھا کہ تم میں کچھ تبدیلی آ چکی ہے لیکن تم تو وہی ہو..... میں نے ہی تمہیں دوبارہ بلوا کر غلطی کی.....'' اس کے انداز میں تاسف بھر گیا تھا۔ اور فاطمہ کے تو سر پر جا لگی تھی..... اس کی آنکھیں احساسِ توہین سے لال ہو گئیں۔

''کیا مطلب ہے تمہارا؟'' فاطمہ نے غصے سے کہا۔

''بہت خوب، مطلب بھی میں ہی سمجھاؤں تمہیں..... اپنا کیا دھرا بھول چکی ہو..... جو کچھ تم نے کیا..... وہ ایسا شرمناک تھا کہ تمہیں تو میرے سامنے اتنا اکڑ کر کھڑے ہوتے ہوئے بھی سو مرتبہ سوچنا چاہیے تھا۔ مگر تم اپنے انگریز بے مذہب اور بے دین باپ کی طرح ڈھیٹ اور بے غیرت ہو۔'' ماہر کے الفاظ نے فاطمہ کے تن بدن میں آگ لگا دی تھی۔ اس کا چہرہ دہکنے لگا۔ آنکھیں آگ برسانے لگیں۔

''جسٹ شٹ اپ.....'' وہ چلا اٹھی تھی۔

''چلاؤ مت فاطمہ..... میں خود بھی ماضی کو دہرانا نہیں چاہتا..... اور ایسا قابلِ فخر ماضی ہے بھی نہیں..... جسے اچھے دنوں کی طرح یاد کیا جائے..... اگر میں سب کچھ بھلا چکا ہوں تو تم بھی پچھلی باتیں بھول جاؤ۔ بہتری اسی میں ہے..... اور باقی یہ ہے کہ حمنہ کے ساتھ برتاؤ میں تبدیلی لاؤ..... وہ اتنی سمجھدار نہیں جو تمہاری تلخی کو برداشت کر سکے۔'' ماہر کا لہجہ اب بھی روکھا اور کھردرا تھا۔

''میں نے حمنہ کو کیا کہہ دیا؟'' وہ اب کی دفعہ کچھ پست آواز میں بولی۔

''جو کہا ہے اب ایسا مت کہنا..... میری بیٹی بہت ہی حساس ہے۔'' ماہر نے جیسے وارننگ دینے والے انداز میں کہا تھا۔ پھر نپے تلے قدم اٹھاتا پلٹ گیا۔ جبکہ فاطمہ ہونٹ کاٹتی غصے میں بڑبڑاتی رہ گئی۔

☆☆☆

ماہر سے اس دن کی تلخ کلامی کے بعد دوبارہ بات نہیں ہوئی تھی۔ کیونکہ حمنہ کے حوالے سے ماہر کی شکایات دور ہو چکی تھیں۔ فاطمہ خاص طور پر ماہر کی موجودگی میں جتا، جتا کر حمنہ سے پوچھتی تھی۔

''آج لنچ میں کیا ہو؟ یا ڈنر میں کیا بناؤں؟'' وہ واضح طور پر ماہر کو سنا کر حمنہ کو مخاطب کرتی تھی جواباً حمنہ اپنا فرمائشی پروگرام بے تکلفی سے نشر کر دیتی۔ فاطمہ نے ایک بات شدت سے نوٹ کی تھی۔ حمنہ بہت زیادہ فاطمہ کے قریب ہونا چاہتی تھی۔ وہ بہانے، بہانے سے فاطمہ کو متوجہ کرتی..... اس سے پیار لینے کی کوشش کرتی اور پھر بہت لاڈ سے گلے میں بانہیں ڈال کر جتاتی۔

''ماما.....! آپ میری پرنسس ہیں۔'' اکثر لاڈ کے یہ مظاہرے ماہر کے سامنے ہونے لگے تھے۔ اور وہ ٹی وی دیکھتا اچانک چونک جاتا تھا۔

''ایسا قاتلانہ جھوٹ.....'' اس کی بڑبڑاہٹ بہ آسانی فاطمہ کے کانوں تک بھی پہنچ جاتی تھی گو کہ وہ جواب نہیں دیتی تھی اور نہ ہی ظاہر کرتی تھی کہ اس نے ماہر کی بڑبڑاہٹ سن لی ہے تاہم وہ جانتا ضرور تھا کہ اندر ہی اندر وہ سسکتی ہے۔ حمنہ اکثر اپنے ایکسٹرا لاڈوں کی وجہ سے اسے شرمندہ کرواتی تھی۔

ایک دن بڑے جوش میں کہنے لگی۔

''میری ماما سے اچھی کوکنگ کوئی نہیں کرتا..... آپ میرے لیے نوڈلز بنائیے گا۔ چکن نوڈلز.....'' حمنہ

BOOKS BANK
http://bookbank.blogspot.com/

اس کے رویے میں روکھا پن پا کر بھی بڑے دعوے سے فرمائشیں کرتی تھیں۔ تب ماہر بھی اخبار دیکھتا متوجہ ہوا۔ پھر چھت کی طرف دیکھ کر بڑبڑاتا ہوا اٹھا تھا۔

''اللہ میرے بچوں کے معدوں پر رحم کرے۔''

کچن کی طرف جاتی فاطمہ لمحے بھر کے لیے رک گئی تھی پھر اس نے تیکھے ابرو اٹھا کر کہا۔

''مجھے سمجھ نہیں آتی..... میرے ہاتھ کا پکا کھانا کھا کر لوگ اب میزیں کیوں نہیں الٹتے..... ایک بات پہ سارا کریڈٹ حمنہ کی ماں کو ضرور جاتا ہے..... اس نے ناک میں نکیل ڈال کر پالنے کے بگڑوں کو سدھار دیا..... یہ کمال حورعین کے ہی پاس تھا۔'' اس کا انداز بھرپور سراہتا ہوا تھا..... ماہر باہر جاتا، جاتا رک گیا۔

''چلو، تم نے کسی بات پر حورعین کو کریڈٹ تو دیا۔''

''حورعین تو آسکر کی حقدار تھی..... دوسروں کے گھروں پہ شب خون مارنا عام بندے کا کام نہیں ہوتا۔'' اس کے طنز کی کاٹ کو جانے کیسے وہ ضبط سے پی گیا تھا۔ شاید حمنہ کا احساس کر کے..... ورنہ فاطمہ تو جانتی تھی منہ توڑ جواب دیے بغیر وہ رہ نہیں سکتا تھا۔

''ذرا اپنے الفاظ میں ترمیم کرلو..... شب خون حورعین نے نہیں مارا بلکہ تم نے ہماری زندگیوں میں کسی ناگہانی بلا کی طرح انٹری دی تھی، مجھے کچھ دُہرانے کی ضرورت نہیں..... تم ایک، ایک حقیقت سے آشنا ہو۔'' اس نے جس بات کی طرف اشارہ دیا تھا وہ فاطمہ اچھی طرح جانتی تھی..... یہ ایک ویک پوائنٹ تھا..... سو وہ چپ کر گئی۔

''میں نے کسی کے ساتھ لو میرج نہیں کی تھی..... نہ میں کورٹ میرج کے ذریعے آئی..... مجھے مامی اور ماموں شادی کر کے لائے تھے۔'' فاطمہ نے بڑے... دوٹوک انداز میں جتایا تھا۔

''اور ابھی تک میں اسی گناہ کی سزا بھگت رہا ہوں۔ اللہ کرے کسی کا بھی کسی بے عقل عورت سے واسطہ کبھی نہ پڑے۔'' ماہر کا انداز ہلکا پھلکا ہی تھا۔ وہ نہیں چاہتا تھا کہ بات بڑھ کر اور رخ اختیار کرلے۔

تعلقات ویسے بھی خاصے کشیدہ تھے۔ مزید کشیدگی کی گنجائش نہیں تھی۔

''آہ..... عقل مند عورت تو ملی تھی..... بس نصیب ہی خراب تھے۔ حورعین ہوتی تو میں یہاں نہ ہوتی۔'' اس نے بڑی تلخ اور کاٹ دار بات کی تھی۔ ماہر لمحے بھر کے لیے چپ ہوا جیسے کچھ ضبط کرنے کی کوشش کر رہا تھا۔

''حورعین ہوتی بھی تو تم یہیں ہوتیں، حورعین کا مرجانا کوئی بہانہ نہیں بنا تھا۔ اس کی زندگی میں ہی اگر مجھے کچھ حقیقتوں کا پتا چل جاتا تو تب بھی تم یہیں ہوتیں۔'' اس نے بڑے مستحکم لہجے میں جواب دیا تھا۔ اب چپ ہونے کی باری فاطمہ کی تھی۔

''تو گویا دس سال کا کشٹ کاٹنے کے بعد آپ کو احساس ہوا کہ تب کچھ غلط ضرور ہوا تھا؟'' وہ جیسے شدتِ غم و غصے سے پھٹ پڑی تھی۔

''غلط ہوا نہیں تھا فاطمہ.....! تم نے غلط کیا تھا؟ مان جاؤ کہ تم انتہائی احمق ہو..... جو بھی ہوا تمہاری بے خبری میں ہوا..... جس کا بھگتان ہم سب نے بھگتا..... سزا تم نے بھی کاٹی اور میں نے بھی.....'' ماہر لب بھینچ کر خاموش ہوگیا۔

''سزا کس نے کاٹی؟ ماہر ارباب نے..... ہرگز نہیں تم نے تو حورعین کے ساتھ اچھا وقت گزارا..... امتحان تو سارے میرے لیے تھے۔ میں نے اپنے بچوں کی جدائی سہی..... ملک بدر ہوئی..... ایک گھٹن زدہ زندگی تک محدود رہ گئی تھی اگر خالہ نہ ہوتیں تو میں مرجاتی۔'' فاطمہ کے جانے کون، کون سے ٹانکے اُدھڑ گئے تھے۔

''اور مجھے میرے باپ کا آخری منہ دیکھنا بھی نصیب نہیں ہوا۔''

''اس کا تو نام ہی مت لو.....'' ماہر کا انداز ہر خند تھا..... مامی اور ان کا لختِ جگر فاطمہ کے پاپا کو سخت ناپسند کرتے تھے۔ شاید وہ انگریز تھے یا پھر کوئی اور وجہ.....؟

''تو پھر کس کا نام لوں.....؟ اس آزمائش کا جو

میرے ہی نصیب میں تھی..... اس امتحان کا جو دس سال پر محیط ہوگیا تھا..... کون میرے دس سالوں کے عذابوں کا حساب دے گا؟ کون میرے ماہ و سال کا حساب دے گا؟ میرے بچوں نے جو میرے بغیر وقت گزارا..... میں نے اپنے بچوں کی جدائی کس طرح برداشت کی کوئی میری تکلیف کو سمجھ ہی نہیں سکتا۔'' فاطمہ جیسے پھٹ پڑی تھی۔ شاید ماہر کے پاس اس سوال کا کوئی جواب نہیں تھا..... وہ خاموش ہوگیا تھا۔

''لوگ خوش نصیب ہیں جو چاہتے ہیں پالیتے ہیں۔'' اس کا اشارہ حورعین کی طرف تھا۔ وہ بڑے درد بھرے لہجے میں کہہ رہی تھی۔ جیسے اسے مری ہوئی حورعین پہ بھی رشک آرہا تھا۔

ماہر اسے دیکھتا رہا..... وہ آج بھی ایسی تھی جلد باز، جذباتی، بات بے بات آنسو بہانے والی... جلدی بدگمان ہونے والی..... ہر تاثر کو ظاہر کرنے دینے والی۔

''تم حورعین کی بات کر رہی ہو؟'' ماہر نے عجیب انداز میں پوچھا تھا۔

''ظاہر ہے..... حورعین کے بجائے کوئی اور اتنا قابلِ رشک ہوسکتا تھا؟'' وہ چبھتے ہوئے لہجے میں بولی تھی۔

''اچھا..... بھلا وہ کیسے خوش نصیب تھی؟'' ماہر نے اگلا سوال داغا..... فاطمہ بغیر رکے شروع ہوچکی تھی۔

''اس کے پاس اتنی قابلیت تھی، وہ اتنی کامیاب تھی پھر اسے من چاہی محبت ملی.....'' اس کا لہجہ حسرت آمیز ہوچکا تھا۔ ماہر اسے تاسف سے دیکھتا رہا۔

''مجھے آج پتا چلا ہے حورعین کو تمہارے حسد کی نظر لگ گئی تھی۔'' اس کے لہجے میں ایسا کچھ ضرور تھا..... جس پر وہ چلا اٹھی تھی۔

''میں کیوں اسے نظر لگاتی؟ وہ میری خالہ زاد بہن تھی۔''

''لیکن تم نے ہمیشہ اس سے نفرت کی۔'' ماہر کو جتلانا پڑا تھا۔ فاطمہ چپکی سی رہ گئی۔

''اس نے میرا گھر اجاڑا تھا۔''

''اس نے تمہارا گھر نہیں اجاڑا تھا..... یہ کام تم نے خود کیا.....؟'' ماہر اپنی بات پر زور دے کر بولا تھا..... فاطمہ ہکا بکا رہ گئی۔

''میں نے خود؟'' اس کی آواز لڑکھڑا گئی..... ''مگر کیسے.....؟'' اس کا دل کسی انہونی کے خوف سے تیز تیز دھڑکنے لگا۔ ماہر لمحے بھر کے لیے خاموش ہوگیا جیسے کسی سوچ میں گم ہو..... اس کے چہرے پر تفکر کا جال تھا اور ان سارے ماہ و سال کی کہانی درج تھی جس کا وقت اور ایک، ایک لمحہ بھاری تھا۔ اتنا ہی بھاری جس قدر فاطمہ پر بھاری تھا۔

وہ جانے کیا، کیا سوچتا رہا کس، کس انداز میں سوچتا رہا۔

پھر جب بولا تو اس کی آواز پہلے کی طرح روکھی اور کھردری تھی۔

''اپنے باپ پر بھروسا کر کے.....'' ماہر کے جواب نے فاطمہ کو سرتاپا فریز کر دیا تھا۔

☆☆☆

''ضد اور ہٹ دھرمی صحیح رائے کو بھی دور کر دیتی ہے۔''

یہ بات بہت پہلے فاطمہ کی ممی نے اس کے لیے کہی تھی اور وہ حیران ہوتی تھی کہ اس میں ضد اور ہٹ دھرمی کہاں ہے؟ اپنے تئیں وہ بڑی فرمانبردار تھی، ممی کی ہر بات مانتی تھی۔ ان کی ہر بات کو سمجھتی تھی..... لیکن ممی نے کہا تھا۔

''فاطمہ خاموش ضدی اور خاموش ہٹ دھرم ہے۔'' اس بات کا بھلا کیا مفہوم تھا؟ فاطمہ کبھی نہ سمجھ پاتی لیکن اتنا ضرور تھا کہ اس میں کچھ عادتیں اپنے باپ والی ضرور موجود تھیں..... اس کا باپ بھی ہٹ دھرم تھا..... اپنی بات پر ڈٹا رہتا اور منواتا تھا چاہے دنیا اِدھر سے اُدھر ہوجاتی فاطمہ بھی ضدی اور ہٹ دھرم تھی۔ گو کہ وہ اپنے باپ کی طرح شور نہیں مچاتی تھی مگر اندر ہی اندر وہ اپنی سوچی ہوئی رائے پر قائم رہتی..... چاہے وہ رائے

BOOKSBANK
http://bookbankpk.blogspot.com/

غلط ہوتی یا ٹھیک ہوتی..... وہ اپنے ذہن میں آئی سوچ پر عمل کر گزرتی تھی..... لیکن اس کے لیے بھی کوئی نہ کوئی اس کی پشت پناہی ضرور کرتا تھا۔ ماموں کے گھر دس سال بعد آ کر بھی وہ ان نکتوں کو آج تک سوچ نہیں پائی تھی جو ماہر اور اس کے درمیان علیحدگی کا باعث بنے تھے۔

اس کی اپنی سوچ اور خیال حورعین تک ہی محدود تھے..... وہ حورعین جو اس کی زندگی میں بھونچال لائی تھی۔ وہ حورعین جو اس کی زندگی میں تہلکہ مچا گئی تھی۔

لیکن اس کے پیچھے کوئی ایک وجہ بھی ضرور تھی..... یہی ناں کہ ماہر ارباب کو حورعین سے محبت تھی..... اس سے بڑی وجہ علیحدگی کے لیے اور کیا ہو سکتی تھی۔

چھٹی کے روز مامی نے ایسے ہی حورعین کا ذکر چھیڑ دیا تھا۔

''بعض لوگ بڑے ہی بدقسمت ہوتے ہیں۔ نہ قابلیت ان کے کام آتی ہے نہ حسن اور نہ ہی محبت.....'' مامی کے لہجے میں آج بھی حورعین کے لیے ہمدردی محسوس ... کی جا سکتی تھی..... آہ، حورعین جا کر بھی ان لوگوں کی زندگیوں میں موجود تھی۔ پھر بھی یہ لوگ سمجھتے تھے حورعین بدقسمت ہے۔

''آپ کے بیٹے نے اس سے عشق فرمایا تھا۔ پھر بھی وہ بدقسمت تھی؟'' نہ چاہتے ہوئے بھی فاطمہ کے لہجے میں جلن در آئی تھی۔

''حورعین کو تو نظر ہی کھا گئی۔ عشق، محبت کسی کے کام کیا آتے ہیں؟ جب قسمت ہی ساتھ نہ دے۔'' مامی کا لہجہ ہنوز وہی تھا۔

''اسے ماہر مل گیا تھا تب بھی وہ بدنصیب تھی؟'' اس نے کڑھتے ہوئے کہا۔

''ماہر تو تمہیں بھی مل گیا تھا..... ماہر کا مل جانا کیا خوش قسمتی کی علامت ہوتا ہے؟'' مامی کے اگلے الفاظ اسے ہکا بکا کر گئے..... کچھ پل کے لیے فاطمہ کچھ بول نہیں پائی..... ایک دم گم صم ہو گئی تھی۔

''ماہر کو مجھ سے محبت تو نہیں تھی ناں.....'' اسے بات کرنے کے لیے ایک پوائنٹ مل ہی گیا تھا۔

''اچھا.....'' مامی کا لہجہ طنزیہ ہو گیا تھا..... ''اگر محبت نہیں تھی تو دس سال بعد تم یہاں نہ ہوتیں۔'' ان کا انداز بھرپور جتلانے والا تھا۔

''میرا یہاں دوبارہ آنا ماہر کی مجبوری نہیں ..... اسے بچوں کی خاطر مجھے بلوانا پڑا.....'' وہ سبزی کاٹتی بہت آزردہ ہو گئی تھی۔ جانے کیا، کیا باتیں یاد آنے لگی تھیں۔ عموماً وہ گزری باتیں بھلاتی ہی نہیں تھی۔

''تم جو بھی سمجھ لو.....'' مامی نے گہری سانس کھینچی۔

''محبت اسے بس حورعین سے تھی۔'' اس نے جلے دل کا پھپھولا پھوڑ ہی دیا۔

''اس کا جواب ماہر سے لینا۔'' انہوں نے صاف دامن بچا لیا۔

''ماہر بھلا کیا جواب دے گا۔ اس کی نشانی کو سینے سے لگا تو رکھا ہے.....'' فاطمہ نے کلس کر کہا۔ اشارہ حمنہ کی طرف تھا کیونکہ حمنہ میں ماہر کی جان بند تھی۔ وہ حمنہ کے معاملے میں ذرا سی کوتاہی برداشت نہیں کر سکتا تھا۔

''کمال ہے۔'' مامی کو پھر سے طنز سوجھا تھا۔ ''تمہاری بھی دو نشانیوں کو اس نے سینے سے ہی لگا رکھا تھا۔'' ان کا اشارہ اس کے بیٹوں عون اور عمر کی طرف تھا۔

''لیکن میرے ساتھ زیادتی تو کی تھی ناں.....'' اسے اپنے خسارے رہ، رہ کر یاد آنے لگے ''مجھے گھر سے نکالا تھا.....''

''یہ تمہاری اپنی غلطیوں کا خمیازہ تھا..... ٹھیک ہے تب ماہر غصے میں تھا..... لیکن اس نے تمہیں بعد میں بلوایا بھی تھا۔'' مامی نے جتلاتے ہوئے کہا تھا..... فاطمہ کی آنکھیں کھلی رہ گئیں۔

''کب بلوایا تھا... کب؟'' اسے تو پچھلے دس سالوں میں ایک بھی ماہر کی فون کال موصول نہیں ہوئی تھی۔

اور مامی کیسا سفاک جھوٹ بھول رہی تھیں۔

''کیا تمہارے ماموں نے ایک ہزار ایک فون

نہیں کیے تھے؟ کیا وہ تمہیں لینے پاکستان نہیں گئے.....؟ کیا میں نے فون نہیں کیے.....؟ کیا حورعین نے تمہاری منتیں نہیں کی تھیں؟ گو کہ شروع کے چند سالوں میں ماہر کا غصہ نہیں اتر رہا تھا۔ وہ تم سے کوئی تعلق نہیں رکھنا چاہتا تھا لیکن بعد میں ماہر نے تم سے رابطہ کرنے کے لیے ہمیں مجبور کیا..... شاید اس کا غصہ اتر گیا تھا یا پھر بچوں کی وجہ سے..... اور اب بھی تمہیں ماہر ہی نے بلوایا ہے.....'' مامی ایک ہی سانس میں اس کی آنکھیں کھولتی چلی گئی تھیں۔

''اور تم تب بھی نہیں آئیں..... تم خود نہیں آئیں..... کیونکہ تم ہٹ دھرم ہو.....''

''ماہر لینے آتا تو آ جاتی..... میں خود سے کیوں آتی؟ ماہر نے حورعین کی وجہ سے مجھے گھر سے نکالا تھا۔ وہ اس سے شادی کرنا چاہتا تھا۔ میں نکلتی تو اس کی خواہش پوری ہوتی.....'' فاطمہ کی آنکھیں آنسوؤں سے لبالب بھر گئی تھیں۔ مامی اسے تاسف سے دیکھتی رہ گئیں۔ جیسے کہہ رہی ہوں۔ ''تمہارا کچھ نہیں ہو سکتا۔''

''تم اپنی غلطی بلکہ گناہ بھی تسلیم نہیں کرو گی۔'' مامی زیر لب بڑبڑا کر رہ گئیں..... ان کی بڑبڑاہٹ اتنی اونچی ضرور تھی کہ فاطمہ بہ آسانی سن سکتی۔ اسے بے انتہا دکھ ہوا تھا۔ آخر اب بھی مامی کی نظر میں فاطمہ ہی بری تھی۔

''میں نے کیا گناہ کیا تھا.....؟ بتائیں مجھے..... جو بھی ہوا، میرا اس میں کیا قصور تھا؟'' وہ تڑپ اٹھی تھی۔

''پتا نہیں..... لیکن ہم سب نے بہت ٹف ٹائم گزارا تھا تب..... ماہر تو کچھ سمجھتا ہی نہیں تھا۔ تمہیں طلاق دینا چاہتا تھا۔ یہ تو ہم سب نے بڑی مشکل سے اسے سمجھایا تھا۔'' مامی شاید اب کریڈٹ لینے کے چکروں میں تھیں..... فاطمہ نے کم از کم یہی سمجھا تھا۔

''پھر تم اپنی غلطی ماننے کے بجائے اکڑ بھی گئیں۔ فلوریڈا جانے کے بجائے پاکستان چلی گئیں۔ امر کو تم نے فورس کیا..... تمہیں پاکستان بھجوائے..... پھر حورعین کی ماں کو ہمارے خلاف کر دیا۔'' مامی بھی تاک، تاک کے حملے کر رہی تھیں۔ اگرچہ ساری باتیں ہی ٹھیک تھیں پھر بھی اسے بہت دکھ ہو رہا تھا۔

''مجھے بھی امر نے ہی کہا تھا..... تم پاکستان ریلیکس ہونے چلی جاؤ.....'' فاطمہ کی آواز دبی ہوئی تھی۔

''اس نے تمہیں ریلیکس ہونے کو کہا تھا کیونکہ ان دنوں تم بھی ڈپریسڈ تھیں، تنہا تھیں، ماہر کچھ سن نہیں رہا تھا۔ پھر تمہارے لیے اسے یہی بہتر لگا۔'' مامی نے برہمی سے جتلایا۔

''امر نے ہی مجھے بتایا..... حورعین کی شادی کا..... حورعین کو بھی مجبور کیا..... وہ طلاق لے..... لیکن وہ طلاق کیوں لیتی، اس کے تو ارمان پورے ہو رہے تھے۔ اچھا ہوا مر کھپ گئی۔'' آخری الفاظ انتہائی صدمے کی کیفیت میں اس نے منہ ہی منہ کہے تھے۔ گو کہ حورعین اس کی رقیب تھی پھر اس کی وفات کا سن کر فاطمہ کو دکھ ضرور ہوا تھا لیکن اس وقت وہ جذباتی کیفیت میں تھی۔

''حورعین کو گئے ہوئے ڈیڑھ سال ہو گیا۔ اور مجھے کسی نے بتایا ہی نہیں۔'' فاطمہ کو اچانک ایک اور شکوہ یاد آیا تھا۔ مامی کو چونکنا ہی پڑا۔ ان کی آنکھوں میں تحیر پھیل گیا تھا۔

''ڈیڑھ سال؟ تمہیں کس نے کہا؟'' مامی کی حیرانی پہ فاطمہ بھی چوکنا ہو گئی۔

''مجھے امر بھائی نے بتایا تھا۔''

''اوہو..... امر نے، اچھا، اچھا.....'' مامی جیسے سمجھ گئی تھیں..... ''اور دیکھو..... یہ لڑکا دوبارہ آیا ہی نہیں..... بچی کی خبر گیری نہیں لی۔ بزنس بھی تو اس کا ملکوں، ملکوں پھیلا ہوا ہے..... بیچارے کے پاس وقت ہی نہیں ہوتا..... یہ تو تمہاری وجہ سے نیو انگلینڈ کی مصروفیات ترک کر کے ائرپورٹ پہنچا تھا۔ پھر اسے ٹکٹ بھی کنفرم کروانا پڑا..... پاکستان کے لیے.....

BOOKS BANK
http://booksbankpk.blogspot.com/

"اسے" بھجوانا جو تھا....." مامی بھی غیر رواں لہجے میں بولتی اسے کچھ عجیب سی لگیں۔ ان کی کوئی بات بھی اس کے پلے نہیں پڑی تھی۔ جانے کسے ارجنٹ پاکستان بھجوانے کے لیے امر کو تردد کرنا پڑا تھا۔ وہ سمجھ نہیں پائی تھی۔ پھر امر تو میڈیکل اسکول میں پڑھتا تھا۔ بزنس میں کیسے لگ گیا۔ خیر، بزنس تو اس کے باپ کا تھا۔ اور وہ ان کا اکلوتا بیٹا..... باپ کے بعد بزنس کو اسی نے سنبھالنا تھا..... کیونکہ امر امریکا کے کروڑ پتیوں میں شمار ہوتا تھا۔

"حورعین کو امر نے بھی بہت فورس کیا تھا..... وہ ماہر سے طلاق لے..... مگر وہ ایسی ٹھوکر تھی کہ میرا گھر اجاڑ ڈالا..... میں دس سال اپنے بچوں سے دور رہی۔" اسے پھر سے وہی رونا یاد آ گیا۔

مامی اسے تاسف سے دیکھتی رہی تھیں جیسا کہ فاطمہ کا راگ انہیں کچھ بھا نہیں رہا تھا۔ خاص کر گھر اجاڑنے والی بات.....

"اپنا کیا دھرا تمہیں بھول چکا ہے..... خیر یاد بھی نہیں کروانا چاہتی....." مامی کو بلا کا غصہ آ گیا۔

"آپ بھی ہمیشہ مجھے الزام دیتی ہیں..... میں نے کیا گناہ کر دیا تھا؟" وہ روہانسی ہو کر چیخ پڑی تھی۔

"تم نے حورعین اور ماہر کے نکاح کی خبر پولیس کو نہیں دی تھی؟" انہوں نے انتہائی کرختگی سے فاطمہ کو حواس باختہ کر دیا..... یہ خاصا کریہہ سچ تھا۔ فاطمہ کا سر جھک گیا..... وہ قدرے شرمندہ ہو گئی لیکن وہ اپنے عمل میں خود کو حق بجانب سمجھتی تھی کہ اسے تب یہی کرنا چاہیے تھا اور اس نے ٹھیک کیا تھا۔

"تو میں اور کیا کرتی؟ مجھے اپنا گھر بچانا تھا۔" اس نے پست آواز میں کہا۔

"گھر بچ گیا تھا کیا.....؟ بلکہ تمہارا یہ عمل ماہر کو اور بھی تم سے متنفر کر گیا....." مامی کو بھی بھگو بھگو کر مارنی آتی تھیں..... وہ پہلے بھی فاطمہ کو ہر وقت احساس دلاتی رہتی تھیں کہ وہ ماہر کی من چاہی بیوی نہیں ہے۔

"ماہر شروع سے ہی مجھے پسند نہیں کرتا تھا..... کیونکہ بیچ میں حورعین کھڑی تھی..... خالہ جتنی عظیم تھیں حورعین اتنی ہی پست....." وہ گھٹی، گھٹی آواز میں بول رہی تھی۔

"اور اس نے بہت دفعہ مجھ سے کہا..... میں اس کی زندگی سے چلی جاؤں۔"

"وہ تمہارے ماموں کی وجہ سے مجبور ہو گیا تھا..... انہوں نے زبردستی تم سے ماہر کی شادی کروائی تھی۔" مامی کو بھی نہ جانے کیا کچھ نہیں یاد آیا تھا۔

"جانتی ہوں سب....." فاطمہ کا حلق تک کڑوا ہو گیا..... "اسی لیے تو میں آتی نہیں تھی۔ ماہر خوش رہتا اپنی حورعین کے ساتھ..... اب بھی حورعین جاتی نہیں تو ماہر مجھے کبھی نہیں بلواتا..... بچے سنبھالنے مشکل ہو رہے تھے۔" وہ زہر خندی بولتی چلی گئی۔

"تم عقل سے خالی ہو....." مامی نے ہمیشہ کی طرح بے رحمانہ تبصرہ کیا۔

"آپ جو بھی کہہ لیں اتنا تو تسلیم کریں گی ناں کہ حورعین نے آپ کے بگڑے ہوئے لختِ جگر کو سدھار دیا ہے۔ کہاں وہ چلانے والا..... میزیں اٹھنے والا ماہر ارباب..... اور کہاں ایسی تہذیب کے گھر میں موجودگی کا بھی گمان نہیں ہو....." وہ سبزی کاٹ چکی تھی زیر لب بڑبڑاتی ہوئی اٹھ کر جانے لگی..... معاً اس کی نگاہ سٹنگ روم کے ڈور فریم پر پڑی..... وہ ہکا بکا رہ گئی تھی۔ سبزیوں کا پورا باؤل اس کے ہاتھ سے گر پڑا تھا..... وہ آنکھیں پھاڑے سامنے دیکھتی رہی تھی۔ اور فرش پر کٹی ہوئی گاجروں کا ڈھیر لگ گیا تھا۔

اسے یقین نہیں آ رہا تھا..... سدا کا چیختا چلاتا ماہر بے آواز قدموں سے چلتا ہوا نہ جانے کب سٹنگ روم کے ڈور فریم میں کھڑا ہوا تھا..... اور جانے کب سے وہ ان کی باتیں سن رہا تھا؟ اور اس نے کیا کچھ نہیں سن لیا ہوگا؟ فاطمہ کا دماغ جیسے گول، گول گھومنے لگا..... مارے شرمندگی کے اس سے سر اٹھانا مشکل ہو گیا۔

☆☆☆

امر کا اس گھر میں قیام اور آمد و رفت لازم و

ملزوم تھی۔

فاطمہ پچھلے سالوں پر نگاہ ڈالتی تو اسے ہر موڑ پر امر کی یادیں اس گھر میں بکھری نظر آتیں۔ وہ اپنے گھر میں کم، کم قیام کرتا تھا..... اس کا ہر وقت کا پڑاؤ اسی گھر میں تھا.....

لیکن اب امر کو آئے ہوئے مہینہ بھر سے اوپر ہو گیا تھا۔ مامی ہر وقت امر پر غصہ کرتیں۔ ان کی ہر بات کا اختتام اس فقرے پر ہوتا۔

"بچی کی ذرا بھی پروا نہیں..... دونوں مصروف، دونوں آؤٹ آف اسٹیشن۔" ان کا غصہ ناک کی نوک پر رہتا تھا اور حمنہ بھی پورے دن میں کئی مرتبہ پوچھتی.....

"ڈیڈی! وہ لوگ کب آئیں گے؟" کبھی کبھی جب وہ زیادہ اپ سیٹ ہوتی تو ماہر حمنہ کو لیے کمرے میں چلا جاتا..... جانے کون لوگ تھے جنہیں حمنہ مس کر رہی تھی اور کبھی، کبھی شدت سے کرنے لگتی..... تب ماہر آؤٹنگ کا لازمی پروگرام بنا لیتا تھا۔

ڈزنی لینڈ میں گزرا وہ دن بھی ایسا ہی بیکار سا تھا۔ فاطمہ کو بالکل ہی بیکار لگا..... ایسا دن جس میں ماہر بس حورعین کی بیٹی کے نخرے اٹھاتا رہا تھا۔ گو کہ عون اور محمد بھی بہت خوش تھے اور پورا دن ڈزنی لینڈ میں انجوائے کرتے رہے۔

"ڈیڈی کے ساتھ کبھی، کبھی اتنا انجوائے کرنے کا موقع ملتا ہے۔" عون بہت خوش تھا..... ڈزنی لینڈ میں آ کر سبھی خوش ہوتے ہیں ڈزنی لینڈ ایک جادو نگری ہے۔

فاطمہ نے اپنی پوری زندگی میں ڈزنی لینڈ کو نہیں دیکھا تھا۔ کیونکہ اس کا باپ بہت غریب تھا اور ممی بس اتنا کماتی تھیں جس سے پیٹ کا سلسلہ چل سکتا۔ باقی عیاشیاں تو بس خواب اور خیال تھیں۔

ان کے مقابلے میں ممی کے رشتے دار بہت امیر تھے۔ ماموں کا اپنا بزنس اور گھر تھا۔ اور پاکستان والی خالہ بھی بہت امیر تھیں۔ بس انہی کے حالات بہت خراب تھے۔

آئندہ افطاری کے چند رہنما اصول یاد رکھیں

1۔ دسترخوان پر اس جگہ بیٹھیں جہاں آپ کا ہاتھ ہر چیز تک جا سکے۔

2۔ شربت کا جگ اپنے سامنے مگر تھوڑا سا دور رکھیں ورنہ سب آپ سے شربت مانگتے رہیں گے۔

3۔ دوسروں پر نظر رکھیں اور چیزوں پر بھی دیکھیں کون سی چیز جلد ختم ہو رہی ہے۔

4۔ ہر پانچ منٹ بعد تھوڑا سا شربت پی لیں تاکہ ٹھونسی ہوئی چیزیں نیچے ہو جائیں اور نعمتوں کی جگہ بن جائے۔

5۔ کھجور کی گٹھلیاں اپنے ساتھ والے کی پلیٹ میں ڈالتے جائیں تاکہ آپ کا دامن صاف رہے۔

نوٹ:

دسترخوان سے اٹھنے سے پہلے مکمل اطمینان کر لیں کہ کوئی چیز بچ تو نہیں گئی۔

خصوصی نوٹ..... اس سال ہم سے بہت سی غلطیاں ہوئی ہیں اور ہم نہیں چاہتے کہ آئندہ بھی ہوں۔

از: مہ وش، سمرن راجپوت، سیالکوٹ

اظہارِ ہمدردی

ایک خاتون اپنی پڑوسن سے کہہ رہی تھیں۔

"اتنی دیر ہو گئی، منے کے ابا واپس نہیں آئے، ہو سکتا ہے کہ آج وہ پھر شراب خانے چلے گئے ہوں۔"

"اے ہے.....! تم ہر بات کا برا پہلو ہی کیوں سوچتی ہو؟" پڑوسن نے کہا "یہ بھی تو ہو سکتا ہے کہ وہ کسی بس کے نیچے آ گئے ہوں۔"

شاعرہ: حمیرا نوشین، منڈی بہاؤالدین

BOOKSBANK.blogspot.com
http://booksbankpk.blogspot.com/

اور اس وقت فاطمہ اپنی سابقہ زندگی کو سوچنا بھی نہیں چاہتی تھی۔ وہ زندگی جو کیڑوں مکوڑوں سے بھی بدتر تھی، وہ بڑے عرصے بعد فلوریڈا آئی تھی۔ قریب چودہ سال بعد..... یہ فلوریڈا تھا..... اس کا آبائی شہر..... جائے پیدائش..... لیکن فلوریڈا میں ابتدائی سولہ سال گزار کر بھی اس نے کبھی ڈزنی لینڈ کی سیر نہیں کی تھی۔ اسے ڈزنی لینڈ کو دیکھنے کی بہت حسرت تھی۔ بہت شوق تھا ایسا ہی شوق جیسے پاکستان میں کسی بچے کو سفاری پارک دیکھنے کا شوق ہوتا ہے۔ مگر فاطمہ کو تو جنونی شوق تھا۔ کیونکہ ڈزنی لینڈ ایک جادونگری کے سوا کچھ نہیں تھا۔ ایسی جادونگری جس میں انسان کھو جائے، گم ہو جائے اور کبھی خود سے بھی نہ مل سکے۔ ڈزنی ورلڈ کو چھ حصوں میں اچھی طرح منظم بنایا گیا تھا۔ اس کا ماسٹر مائنڈ والٹ ڈزنی تھا..... جس کی ذہانت نے یہ منفرد اور اچھوتا جادو گھر بنایا تھا۔

کوئی بھی انسان اس کو دیکھ کر خوابوں کی دنیا میں پہنچ جاتا..... جہاں جا کر تمام غم دنیا سے نجات مل جاتی..... وہ مین اسٹریٹ امریکا پر چلتی ہوئی بہت دور جا رہی تھی۔

بچے پرانے فیشن کی اسٹیم انجن والی ریل گاڑی میں بیٹھ چکے تھے جو پوری جادونگری کے اردگرد چکراتی تھی۔ اس کے قریب سے ہاؤس بکھی گزر رہی تھی۔ بکھی کے آگے دو گھوڑے بندھے تھے۔ گھوڑے بہت خوب صورت تھے۔ جن کے بڑے، بڑے پاؤں ہوتے ہیں۔

مین اسٹریٹ کے آخری کارنر پر خوب صورت سنڈریلا کاسل جنہیں پریوں کا محل کہتے تھے۔ اس کی اٹھارہ منزلیں تھیں۔

اور بہت بچپن میں وہ سنڈریلا کاسل دیکھنے کی خواہش میں ممی کا سر کھاتی تھی۔ اس پر ضد اور ہٹ دھرمی سوار ہو جاتی۔ وہ روتی، چیختی اور پھر کونے میں گھس کر لاتعلق ہو جاتی..... منظر سے غائب ہو جاتی۔ اس کی۔ بچپن سے یہی عادت تھی۔ وہ مقابل کی مجبوری کا سبب نہیں کھوجتی تھی۔ بس بدگمان ہو کر غائب ہو جاتی۔ منظر سے دور ہو جاتی اور تب تک اسی طرح رہتی جب تک اپنا دل واپسی کو نہ چاہتا۔

فاطمہ کو اچھی طرح یاد تھا۔ جب اس کی ماہر سے شادی ہوئی..... تب اس نے پہلی فرمائش میں ماہر سے کہا۔

''مجھے ڈزنی لینڈ دیکھنا ہے، مجھے سنڈریلا کاسل جانا ہے۔'' یہ فاطمہ کی بچپن سے دل میں دبی معصوم خواہش تھی اور اسے لگا یہ خواہش پوری کرنا ماہر کے لیے ناممکن نہیں تھا۔ اس کے پاس وسائل بھی تھے۔ پیسہ بھی تھا اور وقت بھی..... لیکن ماہر اس کی فرمائش پر حیرت سے چیخ اٹھا تھا۔

''تم نے فلوریڈا میں رہ کر ڈزنی لینڈ نہیں دیکھا؟''

اس کی چیخ ایسی بھیانک نہیں تھی جس قدر اس کا رویہ ہتک آمیز تھا۔ ایک تو ماہر نے اس شادی کو قبول ہی نہیں کیا تھا..... وہ تو فاطمہ کو دیکھتا تک نہیں تھا۔ اوپر سے ایسی بے تکلفانہ فرمائش..... جیسے وہ دونوں بڑی محبت کرنے والے میاں بیوی ہوں۔ وہ تو اس کی وعدہ خلافی پر حیران تھا۔ پھر اپنی مغرور ماں کے ساتھ مل کر اس کا مذاق اڑاتا رہا..... مامی بھی موقع کی تلاش میں تھیں۔ انہیں بھی فاطمہ پر طنز کے تیر برسانے کا موقع مل گیا تھا۔

''اس کا باپ اسے ٹافی تک لا کر نہیں دیتا تھا کجا کہ سیریں کراتا..... ملائکہ کو اپنے کیے کی سزا ملی ہے۔'' مامی کو اس کی ممی پر بھی کیچڑ اچھالنے کا موقع مل گیا تھا۔ تب اس کا دل مامی سے کھٹا ہوا ہی تھا۔ ماہر سے بھی کھٹا ہو گیا تھا کیونکہ وہ بھی اس کی ممی پر الزام لگانے لگا۔

''یہ سب ملائکہ پھپھو کے اعمال کی سزا ہے۔ انسان کو اتنا بھی اپنے مقام سے گر نہیں جانا چاہیے کہ اسے اچھے، برے کی پہچان ہی نہیں رہے۔'' ماہر کی اس

بات پر فاطمہ خاموش نہیں رہ سکی تھی۔ وہ غصے میں پھٹ پڑی تھی۔ اور اس نے ماہر کو بے نقط سنا ڈالی تھیں۔ اس بات کو قطعاً نظر انداز کر کے کہ وہ چار دن کی نو بیاہتا دلہن ہے۔ اس کی بکواس سن کر ماہر چیخ اٹھا تھا۔

''یہ ترس کے قابل نہیں تھی..... دیکھا آپ نے..... اس کی لمبی زبان کو..... میں تو کبھی اس سے شادی نہیں کرتا آپ نے میرے ساتھ بہت برا کیا ممی..... کتنی اجڈ اور جاہل ہے۔ اس میں بالکل تمیز نہیں.....'' ماہر کا یہ غصہ پھر کم نہیں ہوا..... بلکہ وقت کے ساتھ، ساتھ بڑھتا رہا۔ اس دن کے بعد سے ماہر کو فاطمہ میں بس کیڑے ہی کیڑے دکھائی دینے لگے۔

وہ اس کی نظر میں جاہل تھی، ان پڑھ تھی، اجڈ تھی، کم عقل تھی۔

اس نے فلوریڈا میں پیدا ہو کر بھی گنوا دیا تھا.....

اس میں کچھ بھی نہیں تھا۔ نہ بات میں سلیقہ، نہ وقار، نہ ٹھہراؤ..... اسے تو بس ممی نے چوزوں کے دڑبے میں قید کر رکھا تھا تاکہ اسے امریکی معاشرے کی ہوا نہ لگے۔ اسی خوف کے زیر اثر وہ فاطمہ کے بنیادی حقوق، تعلیم اور اعتماد کو نظر انداز کرتی رہی تھیں۔

مین اسٹریٹ سے گزرتے ہوئے فلوریڈا کی یادوں نے اچانک اس پر حملہ کر دیا تھا پھر اسے وہ زندگی یاد آنے لگی جو اس نے ماہر کے ساتھ گزاری تھی۔

عون اور محمد کے بعد بھی وہ فیریر لینڈ میں پرانی اسٹیم ٹرین جیسی زندگی گزارتی رہی تھی۔ جس میں بیٹھ کر انتہائی خوفناک سین دکھائی دیتے تھے۔

بظاہر اس کی زندگی ڈزنی لینڈ سے کم نہیں تھی۔ لیکن اس کے اندر آ کر پتا چلتا کہ وہ کتنا خوفناک وقت گزار رہی تھی۔

بچے ابھی تک قلعہ جات، ریچھ، جمبو وی ڈائمنڈ، ہارس شو اور شوٹنگ کرنے کا شوق پورا کر رہے تھے۔ ماہر اسے مین اسٹریٹ پر اندھا دھند چلتے دیکھ کر ریلوے اسکوائر کی طرف لے آیا تھا۔ وہ جو..... اپنے دھیان میں گم اور گم تھی۔ ماہر کے بازو کھینچنے پر بھی چونکی نہیں تھی

ماں کے نام

اپنی پلکوں پر میرے اشک پرونے والی
مجھ سے بھی پہلے میرے درد پر رونے والی
میری ہر سانس ہے مقروضِ محبت تیری
بوڑھے ہاتھوں سے میرے کپڑوں کو دھونے والی
مجھ کو احساسِ یتیمی سے بچائے رکھا
پھول ہی پھول میری راہوں میں بونے والی
مجھ کو جرموں کی تلافی کا بھی موقع نہ دیا
بے خیالی میں میرے ہاتھ سے کھونے والی
صبر اور شکر تیری عمر کا حاصل ٹھہرے
قلزمِ فقر میں تن من کو ڈبونے والی
روز روتی ہے میری تلخ مزاجی تجھ کو
میٹھی باتوں سے میرے دل کو بھگونے والی
کون راتوں کو میرے واسطے اب جاگے گا
تختِ فردوس پہ آرام سے سونے والی
ماں کو کھویا ہے تو یہ راز کھلا ہے دائم
ماں تو ماں ہوتی ہے چاہے ہو کھلونے والی

شاعر: دائم بٹ
مرسلہ: یاسمین کنول، پسرور

نظم

کبھی مہندی سے سجا لو تم اپنے ہاتھوں کو
اس سجاوٹ کے کسی کونے میں
ہمارا بھی نام لکھ دو
یہ نام صرف ہم دونوں کو ہی نظر آئے
کچھ اس طرح سے ہم دونوں کا نام لکھ دو
تیری مہندی سے سجے ہاتھوں کو
میں اپنے ہاتھوں میں لوں گا
تیری مہندی کی خوشبو کو
اپنے دل میں قید کر لوں گا
ڈھونڈ لوں گا میں تیرے ہاتھوں میں
چھپے ہم دونوں کے نام

مرسلہ: امینہ عندلیب، سلانوالی

BOOKS BANK
http://bookbankpk.blogspot.com/

بلکہ اس کے ساتھ ہی گھسٹتی چلی آئی۔

پھر ایک راؤنڈ ٹیبل کے راؤنڈ اسٹول کو کھینچ کر ماہر نے اسے بیٹھنے کا کہا۔ اور پھر خود کو لمبیا ہار بر ہاؤس سے سمندری خوراک یعنی مچھلیوں کی ڈشز اٹھا لایا۔

پھر اس نے بچوں کی طرف نگاہ ڈالی۔ وہ بھوک سے ابھی کوسوں دور تھے۔ سو وہ گم صم سی فاطمہ کی طرف متوجہ ہو گیا تھا۔

''تمہاری برسوں کی خواہش پوری ہو گئی.....؟'' اس کا انداز طنزیہ نہیں تھا۔ پھر بھی فاطمہ چونک کر اس کی طرف متوجہ ہو گئی تھی۔ شاید ماہر کی بات کو سمجھنا چاہتی تھی۔

''برسوں کی خواہش؟'' اس نے تیکھے انداز میں پوچھا۔

''ہاں..... ہاں..... ڈزنی لینڈ کو دیکھنے کی خواہش.....'' ماہر کے چہرے پر ہلکی سی مسکراہٹ چمکی تھی۔ فاطمہ جان نہیں پائی تھی کیا یہ مسکراہٹ طنزیہ تھی؟

اور اس نے کتنی پرانی بات کا حوالہ دیا تھا۔ قریب چودہ سال پہلے فاطمہ کی وہ خواہش جو ماہر کے مذاق میں دب کر دم توڑ گئی تھی۔

''تم سنڈریلا کا سیل نہیں دیکھو گی؟'' اس نے شرارتاً ہونٹ کاٹ کر کہا تھا۔ کوئی اور وقت ہوتا تو فاطمہ پھٹ پڑتی مگر اس وقت وہ فضول بحث میں اپنا موڈ خراب نہیں کرنا چاہتی تھی۔

''نہیں.....'' اس نے منہ پھاڑ کر جواب دیا۔ ماہر ہنوز مسکراتا رہا..... جیسے اس کے نہیں کو انجوائے کر رہا ہو۔

''اگر کسی نے پوچھا تو بتا دینا..... سنڈریلا کاسل میں بہترین ریستوران، اسنیک بار، کیفے، بیکریز، خوب صورت اسٹال، ہاؤس آف میجک جیولرز، بینک، فرسٹ ایڈ سینٹر موجود ہیں۔'' وہ کسی ٹورسٹ گائیڈ کی طرح اسے بتا رہا تھا۔ فاطمہ کو بلا کا غصہ آیا مگر وہ پی گئی۔ اس وقت وہ کوئی تماشا نہیں کرنا چاہتی تھی۔

''ویسے تم ڈزنی لینڈ میں اتنی مون منانا چاہتی تھیں ناں.....؟ لیکن یہ جگہ تو بچوں کی انجوائے منٹ کے لیے ہے..... تم ہنی مون کے لیے بش گارڈن کا انتخاب کرتیں۔ ویسے وقت اب بھی نہیں گزرا..... اگر تم چاہو تو ہنی مون کا ایک سوئیٹ تیار ہو سکتا ہے۔'' ماہر جان بوجھ کر اسے تپانے کی کوشش کر رہا تھا۔ تاکہ وہ غصے میں کچھ تو بول اٹھے۔ لیکن فاطمہ فی الوقت ضبط سے کام لے رہی تھی۔

''تم کیا سوچ رہی ہو فاطمہ؟'' ماہر کو ذرا سنجیدہ ہونا ہی پڑا تھا۔ فاطمہ نے بھی ناپ تول کر اس کی ساری طراری نکالنے کا سوچا..... اس نے بڑے سنجیدہ انداز میں کہا۔

''میں حورعین کو سوچ رہی ہوں۔''

''تم بھی اپنے بارے میں بھی سوچ لیا کرو..... کبھی اپنی غلطیوں پر بھی نظر ثانی کر لیا کرو.....'' اس کی توقع کے عین مطابق ماہر چڑ گیا تھا۔ شاید وہ اس وقت حورعین کی بات نہیں کرنا چاہتا تھا۔ کیسا بے وفا تھا، ماہر..... اتنی جلدی حورعین کو بھول بھی گیا۔ مرد ایسے ہی ہرجائی ہوتے ہیں۔ اس کے پاپا بھی ممی کو جلدی بھول گئے تھے۔ وہ ممی جنہوں نے پاپا کی خاطر ہر قسم کی صعوبتیں اٹھائی تھیں، مشکلات جھیلی تھیں۔

''ہر کوئی مجھے میری غلطیوں کا احساس دلاتا ہے۔ میں نے کون سا گناہ کر دیا تھا؟'' فاطمہ چیخ پڑی تھی۔ ماہر لمحے بھر کے لیے چپ کر گیا۔ اس کی آنکھیں لال ہو گئی تھیں اس کا چہرہ بھی سرخ ہو گیا تھا۔ وہ غیظ و غضب سے بھر گیا تھا۔ پھر وہ بڑے ہی ضبط کے ساتھ بولا۔

''تم اپنی یادداشت کھو چکی ہو..... یہ بہت اچھی بات ہے۔ میں خود بھی اس شرمناک قصے کو دہرانا نہیں چاہتا..... بہتر ہے ہم کوئی اور بات کر لیں۔'' ماہر کا دوٹوک انداز اس کی آنکھوں میں مرچیں بھر گیا تھا۔ فاطمہ کا سر جھک گیا..... اس کی یادداشت سلامت تھی..... اور اسے وہ شرمناک قصہ بھی یاد تھا..... مگر اس سب میں اس کا قصور کہاں نکلتا تھا۔

(جاری ہے)

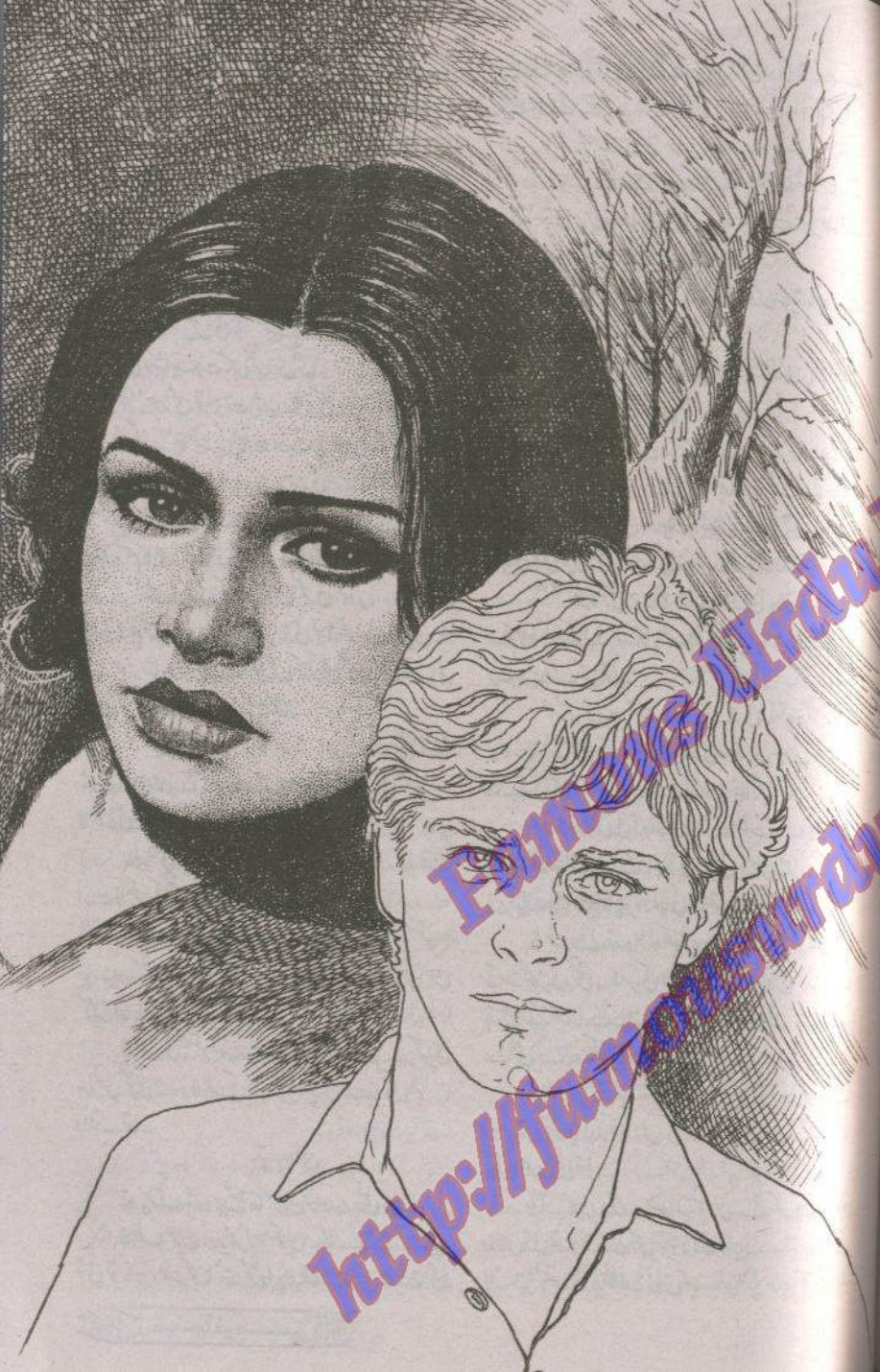

دوسرا اور آخری حصہ

ناولٹ

کہر میں

نایاب جیلانی

''ڈیڈی، ممی سے کہیں وہ آجائیں۔'' حمنہ، ماہر کے کندھے سے لٹک رہی تھی..... اور وہ اسے سمجھا رہا تھا تسلی دے رہا تھا۔

''ممی آجائیں گی بیٹا! آپ فی الحال ماما سے کام چلالو.....'' اس کا اشارہ عون کی شرٹ کے بٹن لگاتی فاطمہ کی طرف تھا۔ فاطمہ نے تیکھے انداز میں اسے گھورا۔ بچی کو تسلی دینے کا یہ کیسا انداز تھا؟ وہ اسے طریقے سے سمجھاتا..... حورعین واپس نہیں آسکتی وہ

Famous Urdu Novels
http://famousurdunovels.blogspot.com/

مر چکی تھی تاکہ بچی کو اس حقیقت کا اندازہ ہو سکتا۔

فاطمہ نے سوچا..... وہ خود کسی دن طریقے سے حورعین کے بارے میں حمنہ کو بتا دے گی۔ یوں تو حمنہ اسی انتظار میں رہے گی کہ اس کی ماں کسی دوسرے ملک گئی ہوئی ہے اور وہ جلد حمنہ کے پاس لوٹ آئے گی۔ کم از کم بچی کا مائنڈ سیٹ تو کرنا چاہیے تھا۔ یہ ماہر بھی ناں.....

''تو آپ بتائیں ناں..... وہ کب آئیں گی۔ حورممی کب آئیں گی؟'' حمنہ کا انداز ٹھٹکتا ہوا تھا۔ وہ اپنی ماں کو شاید بہت مس کر رہی تھی۔

''حورممی تو جنت میں چلی گئی واپس کہاں سے لوٹے گی۔'' فاطمہ کی بڑبڑاہٹ پر ماہر نے سر اٹھا کر اس کی طرف دیکھا پھر دوبارہ حمنہ کی طرف متوجہ ہو گیا۔ فاطمہ کو اس کے چہرے پر ایک عجیب تاثر دکھائی دیا تھا۔ یہ کس قسم کا تاثر تھا؟ وہ سمجھ نہیں پائی تھی۔

''میں ڈیڈی کو بھی مس کرتی ہوں..... ڈیڈی پاس ٹائم نہیں..... کبھی، کبھی ڈزنی لینڈ کر جاتے ہیں۔'' اب حمنہ شاید ماہر سے شکوے کر رہی تھی۔ کیونکہ ماہر بچوں کو کم ہی وقت دے پاتا تھا۔

''تمہارا ڈیڈی الو کا.....'' ماہر نے اونچی آواز میں کہا۔ حمنہ نے اثبات میں سر ہلا کر تائید کی تھی..... فاطمہ کی ہنسی چھوٹ گئی۔

ماہر بھی چونک کر اس کی طرف دیکھنے لگا تھا۔ اسے فاطمہ کی ہنسی بہت بھلی لگی تھی۔

''انسان کو سالوں بعد نہیں، اکثر مسکرانا چاہیے۔'' ماہر کوئی تبصرہ نہ کرتا..... یہ تو ممکن ہی نہیں تھا۔

فاطمہ کی مسکراہٹ سمٹ گئی تھی۔ ماہر نے گہری سانس کھینچی۔ وہ فاطمہ کی الٹ کھوپڑی سے اچھی طرح واقف تھا۔

☆☆☆

نیویارک میں یہ صبح خاصی سرد اور برفیلی تھی۔

فاطمہ، عون اور محمد کو اسکول کے لیے جگا کر نیچے آئی تو ماہر، حمنہ کو ناشتا کروا چکا تھا۔ میز پر ناشتے کی باقیات موجود تھیں۔ کوکنگ رینج پر آئل اور انڈے کے چھلکے پڑے تھے۔

فاطمہ کو سخت تاؤ چڑھا۔

''حمنہ کے لیے ہر روز کیا تم ہی ناشتا بناتے ہو؟'' خالی برتن اٹھا کر اس نے ڈسٹر سے میز صاف کرتے ہوئے طنزیہ لہجے میں کہا تھا۔

''نہیں، تم بناتی ہو۔'' اورنج جوس پیتا ماہر لمحے بھر کے لیے چونک گیا۔

''تو پھر آج یہ تردد کیوں کیا.....؟'' اس کا غصہ کمال کا تھا۔ ماہر خوامخواہ ہی مسکرا دیا۔

''حمنہ جا رہی تھی۔ میں نے سوچا اسے ناشتا کروا دوں.....'' ماہر کو بتانا پڑا تھا۔ فاطمہ نے عادتاً نہیں سوچا کہ حمنہ اتنی سویرے کہاں جا رہی تھی۔ اسے ماہر کی اتنی اپنی چیمپی دکھانے پر غصہ آ رہا تھا۔

''آئندہ بھی حمنہ کا ناشتا خود ہی بنا لینا۔'' اس نے تاؤ کھا کر کہا۔ حمنہ کا ہاتھ پکڑ کر اوپر جاتا ماہر لمحے بھر کے لیے رک گیا تھا۔

''ایسی نوبت آئندہ نہیں آئے گی۔'' وہ مسکرا کر بولا۔ فاطمہ بغیر بات کو سمجھے جلدی، جلدی برتن کا ناشتا بنانے لگی تھی۔ ماہر، حمنہ کو لے کر اوپر چلا گیا تھا۔

معاً ڈور بیل کی آواز نے اسے متوجہ کیا۔ وہ جلدی سے ہاتھ صاف کر کے باہر آئی۔ آئی لینس میں دیکھا تو باہر ایک جانا پہچانا چہرہ دکھائی دیا تھا۔

فاطمہ نے دروازہ کھول دیا۔ سامنے فریش سی آمنہ کھڑی تھی۔ امر کی بیوی..... اس دن دریائے ہڈسن کے کنارے بنے پارک کے ریسٹورنٹ میں آمنہ نے بھی اسے ویلکم کیا تھا۔

فاطمہ کو یاد آ گیا..... اس نے اخلاقاً آمنہ کو سٹنگ روم میں بٹھایا اور خود اس کی خاطر مدارات کے لیے کچن میں چلی آئی۔

بلیک کافی کے ساتھ اسنیکس لے کر جب وہ واپس آئی تو آمنہ نے بھی مروتاً انکار کیا۔

''تم نے یہ تکلف کیوں کیا.....؟''

''ایسا کچھ نہیں..... تم پہلی مرتبہ آئی ہو۔'' فاطمہ کو بھی خالہ کے ہمراہ پاکستان میں رہ کر مہمان نوازی کے طریقے آ گئے تھے۔

''میں پہلے بھی آتی رہی ہوں..... فرسٹ ٹائم نہیں آئی۔'' آمنہ نے مسکرا کر بتایا۔

''میری موجودگی میں تو پہلی مرتبہ آئی ہو.....'' وہ بھی دھیمے سے مسکرائی تھی۔ آمنہ کو تائید کرنی پڑی۔

''تم اتنا عرصہ پاکستان رہیں..... پاکستان کیسا لگا؟'' اس نے گفتگو کا آغاز ہلکے پھلکے کلام سے کیا۔

''بہت اچھا..... لیکن جگہ وہی بہتر ہوتی ہے جہاں آپ کے بچے ہوں.....'' فاطمہ کی مسکان نم سی ہو گئی تھی۔

''یہ بات تو ٹھیک کہی.....'' آمنہ نے کافی کا سپ لیتے ہوئے کہا..... اچانک فاطمہ کو امر کا خیال آ گیا۔ ماضی میں امر کے ساتھ..... فاطمہ کے بہت اچھے تعلقات رہ چکے تھے۔ اس دن کے بعد امر دوبارہ دکھائی نہیں دیا تھا۔ فاطمہ خود حیران تھی..... امر یہاں کم، کم آتا تھا۔

''امر کہاں غائب ہے؟'' اس نے اخلاقاً پوچھا۔

''وہ تو بہت مصروف ہوتے ہیں..... اتنا لمبا چوڑا تو بزنس ہے۔'' آمنہ تفصیل بتانے لگی تھی۔

''اسے میرا پیغام دینا..... بہن بنایا تو تھا مگر نبھایا نہیں۔'' فاطمہ کو کیا کچھ نہیں یاد آ گیا تھا۔ ویسے بھی اس کے پاس شکوؤں کے کئی دفتر ہوا کرتے تھے۔

''یہ کام تم خود کر لینا..... میں اتنی بے تکلف نہیں.....'' آمنہ مسکرائی۔ اب چونکنے کی باری فاطمہ کی تھی۔ کیا وہ اپنے شوہر سے بے تکلف نہیں تھی؟ وہ کیسی بیوی تھی؟

''کیا مطلب؟'' فاطمہ عادتاً ہونق ہوئی تھی۔

''مطلب یہ کہ میں حمنہ کی گورنس ہوں اور امر کی ہاؤس کیپر..... آپ کو شاید غلط فہمی ہوئی ہے۔'' آمنہ کے تفصیل بتانے پر وہ واقعی گم صم ہو چکی تھی۔ اسے جیسے حیرت کا دورہ پڑ گیا تھا۔ وہ اتنی منجمد ہوئی کہ ماہر کو حمنہ کا بیگ اٹھا کر باہر جاتے دیکھ کر بھی نہ ٹھٹکی، نہ چونکی۔ پھر جب وہ حمنہ کو چھوڑ کر واپس آیا تو ذرا دیر کے لیے رک گیا۔

وہ تو ابھی تک اسٹیچو بنی ہوئی تھی۔ حالانکہ حمنہ نے جاتے ہوئے کئی مرتبہ اس کے گال چومے تھے..... اور کئی مرتبہ اس کے گلے میں بانہیں ڈال کر یاد دہانی کروائی تھی۔

''ماما.....! آپ نے ضرور آنا ہے، میں آپ کو اپنا باربی ہاؤس دکھاؤں گی۔'' اور حمنہ کی آواز ابھی تک اس کے کانوں میں گونج رہی تھی..... حمنہ کہاں گئی تھی؟ اور کیوں گئی تھی؟ اس کا دماغ بری طرح سے چکرا گیا تھا..... پھر ماہر کو جاتا دیکھ کر وہ چیخ پڑی تھی۔

''حمنہ کہاں گئی ہے؟'' اسے اپنی ہی بازگشت اجنبی محسوس ہوئی۔ ماہر رک گیا پھر ذرا سا پلٹا بھی۔

''حمنہ بورڈنگ چلی گئی.....'' ماہر آج عام دنوں سے زیادہ سنجیدہ تھا۔ اتنا سنجیدہ کہ فاطمہ کے دل کو کچھ ہونے لگا۔ کیا وہ حمنہ کے چلے جانے پر اپ سیٹ تھا؟ لیکن حمنہ کو اس نے تو نہیں بھیجا تھا۔

''مگر کیوں؟'' فاطمہ کے منہ سے مری، مری آواز نکلی۔

''تم سے حمنہ کا وجود برداشت نہیں ہوتا تھا۔ خود پر جبر کرتی تھیں۔ میں نے تمہیں اس مشکل سے آزاد کر دیا۔'' ماہر کے جواب نے اسے سرتاپا ٹھنڈا کر دیا تھا۔ وہ ہکا بکا رہ گئی۔

''یہ تو سراسر الزام ہے۔ میں نے کب حمنہ کو جبراً برداشت کیا؟ میری اس بچی کے ساتھ کیا دشمنی.....'' فاطمہ کو جیسے رونا ہی آ گیا۔ دل کو آناً فاناً کچھ ہو رہا تھا۔ کیا ماہر نے فاطمہ کی وجہ سے حمنہ کو بورڈنگ بھیجا.....؟ اسے گھر سے دور کیا؟ اپنی محبت سے دور کیا؟ فاطمہ کو خود سے نفرت سی ہوئی۔

''حورعین سے تو تھی ناں.....؟'' ماہر جتلا کر بولا۔

''وہ اور بات تھی۔'' وہ جز بز ہو کر رہ گئی..... ''تم نے حمنہ کے ساتھ اچھا نہیں کیا۔ پلیز اسے واپس بلوا لو.....'' فاطمہ التجائیہ بولی تھی۔

Famous Urdu Novels
http://famousurdunovels.blogspot.com/

''میں نہیں چاہتا تھا حمنہ کی وجہ سے گھر کا ماحول خراب ہو۔'' ماہر کچھ اور سنجیدہ ہو گیا۔

''حمنہ تو اتنی اچھی بچی تھی، اس کی وجہ سے گھر کا ماحول کیوں خراب ہوتا۔ میرے دل کو کچھ ہو رہا ہے۔ پلیز، حمنہ کو واپس بلوا لو.....'' فاطمہ سر تھام کر صوفے پر گر گئی تھی۔

''تم اپنے دل کو سنبھالو..... اس عمر میں دل کو کچھ ہو تو سیدھا اسپتال جانا پڑتا ہے۔'' وہ بڑی سنجیدگی کے ساتھ مذاق کر رہا تھا۔ فاطمہ کی آنکھوں میں آنسو آ گئے۔ وہ اتنا کٹھور تھا کہ آج بھی فاطمہ کے دل کی کیفیت نہیں سمجھ سکتا تھا۔

فاطمہ بھل بھل رونے لگی۔ اس نے کبھی نہیں چاہا تھا وہ اپنا غصہ یا انتقام معصوم حمنہ پر نکالتی..... گو کہ حورعین نے اس کے ساتھ بہت زیادتی کی تھی..... اس کا گھر اجاڑا تھا..... دل ویران کیا تھا..... پھر بھی وہ حورعین کے گناہوں کا بدلہ حمنہ سے لینے کا سوچ بھی نہیں سکتی تھی۔

بہت دیر رونے کے بعد اسے خیال آیا تھا کہ امر کی ملازمہ حمنہ کو لے کر گئی ہے۔ ماہر کہہ رہا تھا۔ حمنہ کو بورڈنگ بھیج دیا ہے..... بات کچھ سمجھ نہیں آئی تھی۔

''حمنہ کو آمنہ کیوں لے گئی؟'' اس نے اتنی دیر بعد پہلا عقل مندانہ سوال کیا تھا..... ماہر جاتے، جاتے رک سا گیا۔

''مجھے ضروری کام تھا..... اسی لیے آمنہ کو بلوایا.....'' اس نے مختصر جواب دیا تھا۔

''اور اب تم صدمے کی کیفیت سے نکل آؤ..... حمنہ جہاں گئی ہے وہاں بہت خوش رہے گی۔ اس گھر میں وہ بہت بور ہوتی تھی۔''

''حورعین کی روح تڑپتی ہوگی۔'' بلا ارادہ ہی فاطمہ کے منہ سے پھسل گیا..... ماہر کو پھر سے رکنا پڑا..... پھر وہ سمجھانے والے انداز میں بولا تھا۔

''تم حورعین کی روح کے لیے غمزدہ نہ ہو..... اچھے لوگوں کی روحوں کو کوئی غم نہیں ہوتا۔'' اس کا انداز صاف جتانے والا تھا۔ فاطمہ روتے، روتے چونک گئی تھی۔

''تم یہ کہنا چاہتے ہو کہ میں بہت بری ہوں.....'' اس کا لہجہ پھاڑ کھانے والا تھا۔

''میں نے یہ کب کہا.....؟'' وہ فوراً معصوم بن گیا..... شاید سمجھ گیا تھا کہ فاطمہ انتہائی جذباتی ہو جائے گی تو پھر..... ''حمنہ کو واپس لے آؤ۔'' اس کی تان وہیں ٹوٹ رہی تھی۔ ماہر نے گہری سانس کھینچ کر کہا۔

''تم اتنا گلٹی فیل مت کرو..... حمنہ کچھ دنوں کے لیے آئی تھی۔ وہ اپنے گھر گئی ہے، کسی بورڈنگ نہیں۔'' اسے فاطمہ کی حالت پر ترس آ گیا تھا۔ فاطمہ جیسے پھر سے ہونق بن گئی تھی۔ اس کے پلے کچھ نہیں پڑا تھا۔ وہ ہکا بکا ماہر کا منہ دیکھتی رہ گئی تھی۔

''میں سمجھی نہیں.....'' اس نے بہ مشکل زبان ہلائی تھی ورنہ اس کی حالت انتہائی متزلزل تھی.....

''جلدی سمجھ جاؤ گی.....'' ماہر نے مبہم سا جواب دیا پھر مسکراتا ہوا اوپر چلا گیا۔

''عون اور محمد کا ناشتا بنا دو..... ان کی اسکول بس آنے والی ہے۔'' بیڈروم میں پہنچ کر اس نے آواز لگائی تھی جبکہ فاطمہ پھر سے سر تھام کر بیٹھ گئی..... اس کا دماغ بالکل سن ہو گیا تھا۔

آخر یہ ماہر اس کے ساتھ کون سی گیم کھیل رہا تھا؟

☆☆☆

ٹی وی پر بش گارڈن کی ڈاکومنٹری چل رہی تھی۔ مامی، عون اور محمد تینوں انتہائی دلچسپی کے ساتھ دیکھ رہے تھے۔ فاطمہ بھی آتے جاتے ٹی وی اسکرین پر نگاہ ڈال لیتی تھی۔

تین سو ایکڑ زمین پر پھیلی ہوئی یہ شاندار اور دلچسپ تفریح گاہ تھی۔ بڑے گیٹ سے داخل ہوتے ہی مراکش شہر کا نظارہ دکھتا تھا۔

مراکش کی موسیقی بھی سنائی دیتی تھی۔ بش گارڈن میں مختلف افریقی ممالک کی تہذیب و تمدن کی جھلک دکھائی دیتی تھی۔ مصنوعی سیٹ لگائے گئے تھے۔

فاطمہ بھی دلچسپی سے رک کر دیکھنے لگی۔

مراکو، نیروبی، کانگو اور ٹمبکٹو کی تہذیب دکھائی گئی تھی۔ افریقی مکانات، لباس، ڈانس، موسیقی اور جانور وغیرہ دکھائے جا رہے تھے۔

افریقہ کے جنگل کا مشہور کردار ٹارزن اور بہت سے ایڈونچرز، کشتی کا خطرناک سفر، ڈولفن مچھلی کے کرتب، برڈ شو میں طوطے کے شاندار کرتب..... چمپنزی جانور نے چائے تیار کر کے دکھائی تھی۔ ڈھول بجایا تھا اور انسانی حرکات سے محظوظ کیا تھا۔ بیلے ڈانس، کوبرا ڈانس اور جانے کیا، کیا۔

بچے سانس روک کر ٹی وی اسکرین دیکھ رہے تھے۔ یہی حال مامی کا بھی تھا۔ وہ بھی یک ٹک اسکرین کی طرف متوجہ تھیں۔

فاطمہ اس فسوں خیز ڈاکومنٹری سے نگاہ چرا کر کچن کی طرف جا رہی تھی۔ جب اچانک ڈور بیل کی آواز آئی۔ اس نے کچن کی طرف جانے کا ارادہ بدل دیا کیونکہ مامی یا عون، محمد ہرگز نہیں ٹی وی کے سامنے سے اٹھنے والے تھے۔ ان کے انداز سے صاف ظاہر تھا۔ فاطمہ نے دو تین مرتبہ انہیں ہوم ورک کے لیے فورس کیا تھا مگر وہ بالکل بھی اس کی بات نہیں سن رہے تھے۔ ان کی آنکھیں اسکرین سے چپکی ہوئی تھیں۔

فاطمہ نے سر جھٹک کر جیسے ہی انٹرنس ڈور کھولا..... اس پر حیرتوں کے آسمان ٹوٹ پڑے تھے اس کے پیروں تلے سے زمین نکل گئی تھی۔ اس کے سر پر پہاڑ آن گرا تھا۔

فاطمہ کو اس لمحے پتا چلا تھا کہ پیروں تلے سے زمین نکلنا کسے کہتے ہیں؟ سر پر آسمان کا گرنا کیا ہوتا ہے؟ قیامت کا ٹوٹ پڑنا کیا ہوتا ہے؟ اس لمحے فاطمہ کو پتا چلا تھا کہ زمین کا گول ہونا کیا ہوتا ہے؟ قبروں سے مردوں کا اٹھنا کیا ہوتا ہے؟ فاطمہ کو لگا اس کا دل بند ہو جائے گا، دھڑکنا بھول جائے گا..... رک، رک کر چلنا چھوڑ دے گا۔ وہ اس کے سامنے مجسم کھڑی تھی۔ وہی جو اس کی زندگی کا ناسور تھی، عذاب تھی..... وہی جو ایک مرتبہ پھر اس کی زندگی میں بھونچال لانے لوٹ آئی تھی۔

فاطمہ کو اتنی زور کا چکر آیا کہ وہ لہراتی ہوئی زمین پر جا گری۔

اس کے بچے جو ڈاکومنٹری میں گم تھے سانس تک نہیں لے رہے تھے، آنے والی شخصیت کو دیکھ کر اٹھے اور چلاتے ہوئے اس کی ٹانگوں سے لپٹ گئے۔

جبکہ فاطمہ بے ہوش ہونے سے پہلے کسی کو اپنے اوپر جھکتا اور ایمبولینس کو فون کرتا سن چکی تھی۔ پھر وہ ہوش و خرد سے بیگانہ ہو گئی تھی۔

☆☆☆

ہر طرف دھند ہی دھند تھی۔ ہر منظر دھند میں لپٹا ہوا تھا۔ کوئی بھی عکس واضح نہیں تھا۔ کوئی بھی منظر واضح نہیں تھا۔ ایک لمبی اور طویل سڑک تھی..... بہت لمبی اور بہت سنسان..... جانے یہ نیویارک کی سڑک تھی یا فلوریڈا کی۔ اس نے بہت غور کیا..... ذہن پر بہت زور دیا..... مگر اسے دھند کے پار کوئی منظر صاف دکھائی نہیں دے رہا تھا اور نہ پتا چل رہا تھا کہ یہ سڑک کون سی ہے؟

وہ اندھا دھند بھاگتی جا رہی تھی۔ بھاگتی جا رہی تھی..... کچھ نظر نہیں آ رہا تھا۔ کچھ سمجھ نہیں آ رہا تھا پھر اچانک اسے کسی نے بتایا۔

یہ ریاست فلوریڈا تھی..... اس کا آبائی شہر، وہ فلوریڈا میں پیدا ہوئی تھی..... اس نے ملائکہ نامی مسلمان عورت کے بطن سے جنم لیا تھا..... اس کا باپ نسلی یہودی انگریز تھا۔ بہت بچپن میں اس نے ممی کی زبانی سنا تھا..... اس کا باپ شادی کے وقت دھوکے کے طور پر مسلمان ہوا تھا۔ اندر سے وہ کٹر یہودی تھا۔ اس نے ممی کو دھوکا دیا تھا۔ ممی سے شادی کے لیے مسلمان ہونے کا ڈھونگ رچایا تھا۔ وہ مسلمان نہیں تھا۔ وہ مسلمان ہو بھی نہیں سکتا تھا۔ وہ اندر باہر سے یہودی تھا..... انتہائی بے رحم، کینہ پرور اور خبیث صفت..... اس کی ممی نے پاپا کے ہمراہ بہت گندی زندگی گزاری تھی۔

بظاہر پاپا مسلمان تھے۔ ممی کو دکھانے کے لیے

Famous Urdu Novels
http://famousurdunovels.blogspot.com/

نماز بھی پڑھتے یا پھر جانماز بچھا کر کھڑے ہو جاتے۔ بہت بچپن میں اس نے بہت دھندلے سے یہ منظر بھی دیکھے تھے۔

ممی اور پاپا کے درمیان بڑے سرد اور برفیلے تعلقات تھے..... وہ ایک دوسرے سے نفرت کرتے تھے۔ پھر بھی ایک دوسرے کے ساتھ رہنے پر مجبور تھے۔

جب وہ کچھ بڑی ہوئی تو آس پڑوس کے لوگوں نے اسے بتایا۔

''ملائکہ نے اپنے ماں، باپ کی مرضی کے خلاف شادی کی تھی۔ یہ دونوں یونیورسٹی فیلو تھے۔ آج تک ملائکہ اس بھول کی سزا کاٹ رہی ہے۔''

ایسے ہی بے شمار واقعات اور کہانیاں اسے سنائی جاتی رہی تھیں۔ جب تک نانی زندہ رہیں..... وہ باقاعدگی سے آتی تھیں۔ ممی کو راشن کے لیے پیسے بھی دیتیں، کپڑے، جوتے بھی لاتیں، پھل، فروٹ بھی مل جاتا تھا۔ فاطمہ کچھ اور بڑی ہوئی تو اسے مزید پتا چلا کہ اس کے نانا چار نسلوں سے امریکا میں مقیم تھے۔ ان کا بڑا چلتا ہوا کاروبار تھا۔ نانا نے اپنے دو بچوں کی شادیاں پاکستان سے کی تھیں۔

اس کی مامی پاکستان سے بیاہ کر نیویارک آئی تھیں اور خالہ بیاہ کر پاکستان چلی گئیں۔ نانا کی خواہش تھی ممی کی شادی بھی پاکستان میں ہوتا کہ ان کا بھی فیوچر محفوظ ہو جائے لیکن ممی نے محبت کے ہاتھوں مجبور ہو کر اس کے پاپا سے کورٹ میرج کر لی یا پھر ممی کے نصیب میں ذلت بھری زندگی لکھی تھی۔ جو پاپا کے توسط سے ہی انہیں ملنی تھی۔

ممی کے اس انتہائی اقدام پر نانا ایسے دل برداشتہ ہوئے کہ دوبارہ اٹھ ہی نہیں سکے۔ نانا کے بعد نانی نے ہمیشہ ممی کی خبر گیری کی تھی۔

جب بھی نانی، ممی کے پاس آتیں..... وہ روتے ہوئے ہاتھ جوڑ کے فاطمہ کے بارے میں سوال کرتیں..... وہ فاطمہ کے لیے بہت پریشان تھیں..... اور اسے محفوظ ہاتھوں میں دینا چاہتی تھیں۔ ممی کی ہر التجا کے بدلے نانی کا ایک ہی جواب ہوتا۔

''اس کا تو نکاح ہو چکا ہے گو کہ بچپن کا..... نکاح ہے، رجسٹرڈ نہیں ہے پھر بھی نکاح تو بہر حال ہے ناں.....'' نانی بہت پریشانی سے ممی کو بتاتی تھیں..... وہ کچھ سمجھدار ہوئی تو اسے پتا چلا..... نانی کس کے نکاح کی بات کرتی تھیں۔

فاطمہ نے ہمیشہ اپنی ممی کو روتے دیکھا..... یا پاپا کے ہاتھوں پٹتے ہوئے دیکھا تھا۔ انہوں نے محبت کے بدلے میں ذلت خرید لی تھی۔ کیسا گھاٹے کا سودا کیا تھا انہوں نے بھرپور خسارہ..... نانی ممی کے حالات پر بہت غمزدہ رہتی تھیں۔

پھر انہوں نے اس کا ایک حل نکال ہی لیا۔ وہ فاطمہ کو اپنے ساتھ نیویارک لانے کا فیصلہ کر چکی تھیں۔ مگر ممی نے اس فیصلے میں کچھ ترمیم کروائی تھی۔ ممی نے اپنی خواہش کا برملا اظہار کر دیا تھا۔

''آپ فاطمہ کو نکاح کے بعد لے جائیں۔'' ممی کے انداز میں واضح جھجک تھی۔ نانی کچھ ٹھٹک گئیں۔

''کس کے ساتھ نکاح.....؟'' نانی کی آنکھوں میں خدشات اتر آئے تھے۔

''ماہر کے ساتھ۔'' ممی نے سر جھکا کر کہہ دیا۔

''مگر ماہر کا تو بچپن میں ہی نکاح ہو چکا ہے..... سدرہ (مامی) کی بھتیجی سے۔'' نانی نے واضح طور پر مامی کی بھتیجی کہا تھا..... اپنی نواسی نہیں..... کیونکہ وہ ممی کو احساس دلانا چاہتی تھیں کہ وہ رشتہ کس قدر نازک اور حساس ہے..... مامی اور خالہ کی کراس میرج (وٹے سٹے کی شادی) تھی۔ خالہ بیاہ کر پاکستان گئی تھیں اور مامی بیاہ کر نیویارک آئیں..... اس طرح خالہ اور مامی کی دُہری رشتے داری تھی۔

ماہر کی منکوحہ نانی کی سگی نواسی تھی جیسے فاطمہ ان کی نواسی تھی۔ پھر بھی نانی کا جھکاؤ فاطمہ کی طرف ہی تھا۔ کچھ ممی کے آنسوؤں نے نانی کو زیر کر دیا تھا۔

ممی کا بڑھتا دباؤ..... تکلیف دہ زندگی پھر کینسر جیسی بیماری، ذلت بھری زندگی..... یہ سارے پوائنٹس

ملا کر فاطمہ کا فیوچر بے انتہا بھیانک دکھائی دیتا تھا۔

نانی کا آہستہ، آہستہ ہی سہی دل پسیجنے لگا..... پھر انہوں نے دل کو مضبوط کر کے دلائل سے قائل کر لیا..... لیکن وہ ممی کو خود غرض کہنے سے باز نہیں آتی تھیں۔

''فاطمہ کا خیال نہ ہوتا تو میں کبھی تمہاری بات نہیں مانتی..... تم شروع سے ہی خود غرض ہو.....'' نانی دل سے خوش نہیں تھیں مگر انہوں نے اپنی بارعب شخصیت اور ماموں کی فرمانبرداری کا فائدہ اٹھا لیا تھا۔

نانی نے جیسے تیسے بالآخر ماموں اور مامی کو منا لیا۔

اس بات پر کتنا ہنگامہ ہوا..... مامی نے گھر چھوڑ دینے کی دھمکیاں تک دیں..... ماہر نے لاکھ سر پٹخا..... ہزار دفعہ انکار کیا..... مگر اس کی ایک نہیں سنی گئی۔

وہ آزاد معاشرے کا فرد ہو کر بھی مجبور ہو گیا..... اسے رشتوں، ناتوں کی کڑیاں پہنا دی گئی تھیں اور اسے اتنا مجبور کر دیا گیا کہ وہ شادی کرنے فلوریڈا پہنچ گیا۔

فاطمہ نے زندگی میں پہلی مرتبہ اپنے ماموں زاد کو دیکھا تھا..... وہ اپنے تاثرات سے بہت اکھڑ لگ رہا تھا۔ یہ زبردستی کی شادی تھی۔ وہ خوش نہیں تھا۔ وہ سخت برہم تھا..... اور غصے میں خود کو گالیاں دیتا وہ بالکل فاطمہ کو اپنے باپ کی طرح لگا تھا۔

فاطمہ کو کچھ ہی عرصے میں اندازہ ہو گیا تھا کہ ماہر اس کے باپ جیسا نہیں مگر اس کے باپ سے کم نہیں تھا۔ وہ انتہائی غصیلہ، بدمزاج اور جھگڑالو تھا..... یا پھر فاطمہ سے شادی کے بعد وہ اتنا بدمزاج ہو گیا تھا۔ اسے فاطمہ کے ہر کام میں کیڑے نظر آتے۔ اسے فاطمہ کی شکل بری لگتی تھی۔ وہ اسے ہر وقت اجڈ اور جاہل کہتا۔

وہ فاطمہ کو سخت ناپسند کرتا تھا..... اسی طرح مامی کا رویہ بھی اس کے ساتھ انتہائی ہتک آمیز تھا۔ وہ بار، بار جتاتی رہتیں۔

''تم حورعین جیسی نہیں..... تم اس جیسی بن بھی نہیں سکتا۔ تم حورعین کی جوتی جیسی بھی نہیں.....'' اس نے حورعین کا نام اتنی مرتبہ اس گھر میں سنا تھا کہ اسے حورعین کے نام سے نفرت ہو گئی تھی۔ حالانکہ وہ اس کی سگی رشتے دار تھی۔

کسی کو اس کے ہاتھ کا کھانا پسند نہیں تھا۔ ماہر کا جب دل چاہتا، میز الٹ دیتا تھا۔ یہاں حورعین کے نام کا طوطی بولتا تھا۔ یہاں کسی فاطمہ کا سکہ نہیں چل سکتا تھا۔ پھر ایک مدت کے بعد اس نے حورعین کو بالآخر دیکھ ہی لیا۔ یہ اس وقت کی بات ہے جب وہ عون اور محمد کو گود میں اٹھا کر اسپتال سے گھر آئی تھی گو کہ اس نے ماہر کی زندگی میں معمولی سی جگہ پالی تھی۔ وہ اس کے بیٹوں کی ماں بن گئی تھی تاہم ماہر کے دل میں آج بھی حورعین بستی تھی..... وہ اس کے عشق میں گرفتار تھا۔

مامی نے خود کئی مرتبہ فاطمہ کو بتایا تھا۔

''ماہر ہر سال حورعین کی سالگرہ پر پاکستان جاتا ہے۔'' مامی کسی حد تک فخریہ بتایا کرتی تھیں یا پھر اسے جلانے کی کوشش کرتی تھیں۔ فاطمہ کو اس وقت یقین ہو گیا تھا جب واقعی شادی کے دوسرے سال بھی اچانک ماہر پاکستان چلا گیا..... اس دفعہ ماہر کا جانا ایک نئی قیامت کو اٹھا لایا تھا..... اس دفعہ حورعین، ماہر کے ساتھ آئی تھی..... وہ ہائر اسٹڈیز کے لیے آئی تھی۔ وہ امریکا میں پڑھنے کے لیے آئی تھی مگر ماہر جانتا تھا اور فاطمہ بھی جانتی تھی کہ حورعین کس مقصد کے لیے آئی ہے۔ حورعین کو دیکھ کر ایک لمحے کے لیے فاطمہ کو بھی محسوس ہوا تھا کہ ماہر اگر اس کے عشق میں گرفتار ہے تو ٹھیک ہی گرفتار ہے۔

حورعین ایسی تھی کہ اسے چاہا جاتا..... حورعین ایسی تھی کہ اس سے محبت کی جاتی..... وہ سرتاپا عشق تھی۔ حورعین کے آتے ہی فاطمہ کی زندگی کے ایک نئے دور کا آغاز ہو گیا۔ ماہر کی مصروفیات حورعین سے شروع ہو کر اسی پر ختم ہو جاتی تھیں۔ اسے یاد رہتا تو بس حورعین کو وقت دینا..... اسے تفریح کرانا..... اسے گھمانا، پھرانا اسے ہر حال میں خوش رکھنا..... فاطمہ کے دل میں ان دنوں ایک عجیب سی لہر اٹھا کرتی تھی بہت عرصے تک فاطمہ اس لہر کو کوئی نام دینے سے قاصر رہی تھی..... پھر بہت عرصے بعد فاطمہ کو اس لہر کی موجوں اور اتار چڑھاؤ

Famous Urdu Novels
http://famousurdunovels.blogspot.com/

کی سمجھ آگئی تھی۔ آخر یہ لہر تھی کیا.....؟ عون اور محمد جب تین سال کے ہوئے تو فاطمہ کو پتا چلا..... وہ حورعین سے حسد کی آگ میں جل رہی تھی۔

☆☆☆

اس لہر کا نام حسد تھا۔ حسد کی آگ جو مسلسل جلاتی ہے جلا جلا کر راکھ کر دیتی ہے۔

فاطمہ بھی حسد کی اس آگ میں جل رہی تھی..... یہ آگ بڑھتی چلی جاتی تھی، کم نہیں ہوتی تھی۔ اس آگ کو بڑھنا ہی تھا..... جلانا تھا اور جلا کر راکھ کر دینا تھا پھر جب ممی کی ڈیتھ ہوگئی تو وہ مزید تنہا ہوگئی..... نانی بھی چلی گئیں تب اکیلے پن کی ڈسی فاطمہ نے ماہر کے اکلوتے دوست امر کا سہارا لے لیا۔

وہ امر تھا..... ماہر کا جگری دوست..... جس کا بسیرا اسی گھر میں تھا..... وہ ماہر کے ساتھ رہتا تھا اور وہ حورعین کے آس پاس بھی رہتا تھا۔

ایسے ہی وقت گزرتا گیا..... فاطمہ پر ایک، ایک دن بھاری تھا..... پُر اذیت تھا۔ وہ کانٹوں پر سفر کرتی تھی۔ جانے کیسے امر کو اس کے دل کی حالت اور اذیتوں کا پتا چل گیا..... شاید وہ خود چلتی پھرتی غم کی تصویر تھی۔

فاطمہ نے ذرا سی ہمدری پا کر اپنا دل کھول کر دکھا دیا..... امر گو کہ بہت مخلص تھا، ہمدرد تھا پھر بھی وہ ماہر کو براہِ راست ٹوک نہیں سکتا تھا۔ وہ اسے احساس نہیں دلا سکتا تھا کہ وہ اپنی بیوی کے حال پر نظرِ کرم کرے۔

وہ ہمیشہ فاطمہ کو سمجھاتا کہ وہ خود با اعتماد ہو..... بہادر بنے اور اسٹینڈ لے..... اپنے حق کے لیے آواز اٹھائے..... ماہر کو بہادر اور با اعتماد لڑکیاں پسند تھیں۔

امر اسے سمجھاتا تھا کہ وہ خود میں تبدیلی لائے..... اپنی قابلیت اور ذہانت سے ماہر کا دل جیتے اور اسے اپنی طرف متوجہ کرے۔

اور فاطمہ کو سمجھ نہیں آتی تھی کہ یہ ساری خوبیاں اس کے اندر کیسے جمع ہو سکتی تھیں۔ وہ بس اپنا اور حورعین کا موازنہ کیا کرتی۔

اور حورعین کا پلڑا ہر لحاظ سے بھاری دکھائی دیتا..... وہ فاطمہ کی سگی خالہ زاد تھی..... مگر وہ فاطمہ سے بہت مختلف تھی۔ وہ حورعین تھی..... حوروں سی بہت شاندار، مکمل اور سحر طاری کر دینے والی شخصیت کی مالک اس کا سحر سر چڑھ کر بولتا تھا۔ یوں کے سدھ بدھ ہی بھلا ڈالتا۔

ماہر کے اس سے کس نوعیت کے تعلقات تھے یہ تو فاطمہ کو پتا نہیں تھا مگر وہ اس آزاد معاشرے کی شہری تھی۔ یہاں کی ہر گری ہوئی اخلاقی قدر کو جانتی تھی۔

اس کے اندر خدشے اور وسوسے پنپتے تھے..... شیطانی خیالات سر چڑھنے لگتے۔ وہ پہلے پہل تو ماہر سے بدگمان ہوئی پھر اس پر اور حورعین پر شک کرنے لگی۔ دراصل ان دنوں کچھ ہوا اس طرح سے تھا یا پھر ان دنوں اس کا نصیب ہی دائرے میں گردش کر رہا تھا اور وہ خوبیت کا دائرہ تھا۔

وہ دن بھی شاید نحس تھے..... کاش کے فاطمہ کی زندگی میں آتے ہی نہیں..... مگر ہونی کو کون ٹال سکتا ہے..... ان منحوس دنوں میں اس کا باپ فلوریڈا سے نیویارک آگیا تھا۔ اس کی حالت بہت پتلی تھی۔ ممی کے بعد وہ سچ مچ بھکاری بن گیا تھا کیونکہ ممی تو بیماری کی حالت میں بھی کما کر لے آتی تھیں مگر اس کا باپ شراب کے نشے میں ممی کی کمائی کو دونوں ہاتھوں سے لٹا آتا تھا۔ ان دنوں فاطمہ کا ستارہ گردش میں تھا۔

ایک تو ماہر اور اس کی تکرار بہت ہونے لگی تھی۔ ماہر اگر غصے میں ایک برتن توڑتا، فاطمہ دس توڑنے سے گریز نہیں کرتی تھی۔

عون اور محمد کے بعد وہ کوئی پہلے سی دبو قسم کی فاطمہ نہیں رہی تھی۔ وہ ایک کی دس سناتی..... چیختی اور چلاتی تھی..... ماہر کو گالیاں تک دے لیتی اور مامی سے جھگڑا بھی کرتی تھی..... ماہر بھی جواباً کم نہیں تھا مگر اس نے فاطمہ کے باپ کی طرح کبھی اس پر ہاتھ نہیں اٹھایا تھا۔

ایک دن حورعین روز، روز کے ہنگاموں سے تنگ آکر ہاسٹل چلی گئی تھی اور پھر حورعین کا ہاسٹل جانا قیامت ہوگیا۔

حورعین شاید کبھی بھی ہاسٹل جانے کا فیصلہ نہ کرتی لیکن اس صبح فاطمہ نے ماہر اور مامی کی غیر موجودگی میں حورعین کو اتنا ذلیل کیا..... اتنا خوار کیا..... اتنی باتیں سنائی کہ وہ دوسرے ہی لمحے یہاں سے ہمیشہ کے لیے چلی گئی تھی۔

فاطمہ نے حورعین کے جیسے کان کھول دیے تھے۔

''کال گرلز اور طوائفوں کی یہاں کمی نہیں تھی جو تم ایک اور اٹھ کر آگئی ہو..... تمہیں ماہر کے علاوہ کوئی گھاس نہیں ڈالتا..... کوئی منہ نہیں لگاتا..... یہاں سے دفعان ہو جاؤ..... میرا گھر مت اجاڑو..... مجھے بے گھر مت کرو..... دفع ہو جاؤ..... ورنہ میں تم پر تیزاب پھینک دوں گی۔'' وہ چلاتی رہی تھی۔ گالیاں دیتی رہی تھی۔ غصہ کرتی رہی تھی۔ آگ اگلتی رہی تھی اور پھر حورعین اس کی ایک، ایک بکواس کو خاموشی سے سن کر ہمیشہ کے لیے اپنے ماموں کا گھر چھوڑ گئی..... شاید فاطمہ کی بھنبھوڑی ہوئی بار بار ٹھکرائی روح کو چین آجاتا۔ شاید حورعین کے چلے جانے کے بعد اس کی زندگی میں ٹھہراؤ آجاتا، سکون آجاتا..... لیکن فاطمہ کی زندگی میں سکون کہیں نہیں تھا..... اس کا باپ بدقسمتی کا طوفان بن کر اچانک چلا آیا۔ وہ جو حورعین کے دفعان ہو جانے کے بعد بہت چین سے تھی۔ اس کا سارا چین و سکون غارت ہو گیا تھا۔

وہ کرسمس کی رات تھی۔ سارا نیویارک بقعۂ نور بنا ہوا تھا۔ ہر گام جگنوؤں کی طرح چمک رہا تھا لیکن فاطمہ کی زندگی میں اس رات تاریکیاں اتر آئی تھیں۔ اندھیرے بھر گئے تھے یا ہی جم گئی تھی۔ کاش کہ وہ رات آتی ہی نہیں..... یا اس کی زندگی کے صفحے سے وہ رات ہمیشہ کے لیے مٹ جاتی۔

☆☆☆

فاطمہ بچوں کو سلا کر نیچے آئی تو ماہر کرسمس کی رونقیں دیکھنے چلا گیا تھا۔ اس رات مامی بھی نہیں تھیں۔ فاطمہ اکیلی تھی لیکن یہ اکیلا پن کچھ ہی دیر میں ختم ہو گیا تھا۔ اس رات بہت عرصے بعد اس کا باپ ملنے چلا آیا تھا۔ فاطمہ بہت عرصے بعد اپنے باپ کو دیکھ کر جذبات پر قابو نہیں پا سکی تھی۔ وہ اپنے خساروں پر ایسا روئی کہ روتی ہی چلی گئی تھی۔

جانے کون، کون سے دکھ یاد آگئے تھے۔ جانے کون، کون سی محرومیاں یاد آگئی تھیں۔

اس کا باپ بھی بڑا خود کو ہمدرد اور محبت کرنے والا باپ ثابت کر رہا تھا۔ وہ کافی دیر تک فاطمہ کے پاس بیٹھا رہا..... پھر وہ ماہر کے بارے میں پوچھتا رہا۔ اچانک اس کے باپ نے اپنا موبائل نکالا اور کچھ تصویریں دکھائیں۔ یہ کسی ریسٹورنٹ کی تصویریں تھیں، کہیں پکنک پوائنٹ نظر آرہے تھے، کہیں پارک اور کہیں بیچ کی تصویریں تھیں ہر جگہ ماہر اور حورعین ساتھ، ساتھ تھے۔

ان کی قربت بتاتی تھی کہ ان کے درمیان تعلق کی نوعیت کیا ہے..... فاطمہ جیسے سر تا پا ہل کر رہ گئی تھی۔ اس کے علاوہ پاپا نے مزید بھی بہت کچھ بتایا تھا۔

''تم آنکھیں کھلی رکھو..... بہت جلد اس ڈریم لینڈ سے نکل جاؤ گی..... اپنے شوہر کو قابو کرو..... وہ اس لڑکی کے ساتھ آوارگیاں کرتا پھرتا ہے۔'' پاپا کے الفاظ اس کے اندر حسد اور شک کا ایک اور بیج بو گئے تھے۔ وہ جیسے سن ہو گئی تھی۔ پھر بات یہاں تک ہی محدود نہیں تھی۔ پاپا اس تک ایک، ایک بات کی رپورٹ پہنچاتے اسے ماہر اور حورعین کے بارے میں لحہ بہ لحہ باخبر کرتے..... اور فاطمہ جیسے جل، جل کر راکھ ہو رہی تھی۔ فاطمہ اور ماہر کے تعلقات سرد ہو چکے تھے۔ گھر میں ایک جنگ اور دنگل کا ماحول تھا۔ ماہر سیر تھا تو فاطمہ سوا سیر..... دونوں میں لمبی تکراریں ہوتیں، جھگڑا بڑھتا، ماہر گالیاں دیتا..... اپنے اوپر لگائے الزامات کی تردید کرتا اور چلاتا ہوا گھر سے نکل جاتا۔

فاطمہ کو ان دنوں سمجھ نہیں آتی تھی وہ کیسے حورعین کو ماہر سے دور رکھے..... اپنا گھر بچائے، اپنی زندگی بچائے پھر امر سے دل کا حال کہا تو اس نے بڑا آسان

Famous Urdu Novels
http://famousurdunovels.blogspot.com/

مشورہ دیا تھا۔

''حورعین اور ماہر کا آپس میں نکاح ہے..... اگر یہ مناسب طریقے سے ختم ہو تو بہتر ہے تمہارے لیے بھی اور حورعین کے لیے بھی.....'' فاطمہ اس کی بات پر لمحے بھر کے لیے چپ ہوگئی تھی پھر اس نے اسی پہلو پہ سوچنا شروع کردیا تھا۔ اس نے امر کی بات کا غلط مفہوم لیا..... اور اپنی سمجھ کے مطابق اس پر عمل کرنا شروع کردیا۔ ان دنوں پاپا بھی فاطمہ سے مسلسل رابطے میں تھے۔

یہاں پر فاطمہ نے اپنی زندگی کی ایک اور بڑی نادانی کرلی تھی۔ اس نے پاپا کو راز میں شریک کرلیا..... اور ماہر کے حورعین سے نکاح کی خبر دے ڈالی۔ پاپا کے لیے یہ شاکنگ نیوز تھی۔ وہ جہاں کے تہاں رہ گئے تھے پھر انہوں نے اسے تسلی دی اور اس معاملے کو اپنے تئیں خود ہینڈل کرنے کا فیصلہ کرلیا..... پاپا نے کیسا منصوبہ بنایا تھا اور کیا شاطرانہ چال چلی تھی۔ فاطمہ کو جلد پتا چل گیا تھا۔ فاطمہ نے بھی تمام اختیارات اپنے اس لالچی باپ کو سونپ دیے تھے جس نے ایک دن بھی اس کی ماں کو سکھ کی سانس لینے نہیں دی تھی۔ پہلے تو پاپا نے ماہر پر نظر رکھی..... اس کے پل، پل کی رپورٹ لی پھر ایک جامع منصوبہ بنالیا۔ فاطمہ اس منصوبے سے کچھ بے خبر تھی۔ اسے پتا نہیں تھا کہ پاپا کیا کرنے والے تھے پھر وہ اسی بے خبری میں ایسی ماری گئی کہ عمر بھر خود سے نظر ملانے کے قابل نہیں رہ سکی۔ فاطمہ کی زندگی میں وہ زلزلہ بھلا کس طرح سے آیا تھا..... جس نے اسے گھر سے بے گھر کردیا تھا بلکہ وطن سے بے وطن کردیا تھا۔

یہ ایک پری پلاننگ تھی..... گو کہ بہت خاص قسم کی نہیں تھی پھر بھی ان کی زندگیوں میں بھونچال ضرور لے آئی تھی۔ پاپا نے فیصلہ کیا..... کیسے ماہر اور حورعین کو دور کرنا ہے؟ یہاں تک تو بات ٹھیک تھی۔ فاطمہ بھی مان گئی کیونکہ وہ بھی یہی چاہتی تھی۔ لیکن اس دوری کے پیچھے کیسی شاطرانہ چال ہوگی یہ فاطمہ کو نہیں پتا تھا۔

کرسمس نائٹ سے اگلے دن جب وہ لوگ فلوریڈا (سنگتروں کے ملک) روانہ ہوئے اور مالٹوں کے باغات میں بنے ریسٹورنٹ میں قیام کیا..... دراصل فاطمہ کو یہ بات بھی بعد میں پتا چلی تھی کہ ماہر نے حورعین کے لیے یہ پروگرام بنایا تھا کیونکہ حورعین کی ان دنوں چھٹیاں چل رہی تھیں۔ وہ رات حورعین کی اور فاطمہ کی زندگی میں آنے والی بھیانک ترین رات تھی۔

اس رات حورعین کو اغوا کرلیا گیا تھا..... اغوا کرنے والے کون لوگ تھے؟ وہ حورعین کو کہاں لے گئے تھے۔ انہوں نے حورعین کے ساتھ کیا، کیا تھا..... یہ سب کوئی نہیں جانتا تھا۔ وہ ایک قیامت خیز واقعہ تھا۔ حورعین کو نشے کے انجکشنز لگائے گئے تھے اسے زیورات اور روپے پیسے سے لے کر ہر لحاظ سے لوٹا گیا تھا۔ علاوہ ازیں حورعین پر جسمانی اور جنسی تشدد بھی کیا گیا تھا۔ اس کا بازو فریکچر ہوگیا..... اس کا سر پھٹ گیا اور وہ موت وحیات کی کشمکش میں بے سروسامانی کی حالت میں فلوریڈا ہائی وے کے کنارے سے اٹھائی گئی تھی۔ اس کی حالت ایسی تھی کہ ماہر اسے دیکھ کر پاگل ہوگیا تھا۔ حورعین کی شکستہ حالت کو دیکھ کر لاکھ عداوت کے باوجود بھی فاطمہ تک لرز اٹھی تھی۔ اس دوران امر اور ماہر کی انتھک کوششوں سے حورعین زندگی اور صحت کی طرف لوٹ آئی تھی مگر اس نے نہ جانے کتنی ہی مرتبہ خودکشی کی ناکام کوشش کرکے امر اور ماہر کو ہلا کر رکھ دیا تھا۔ وہ دونوں اس کی پٹی سے لگ گئے تھے۔

فاطمہ کے لیے یہ صورتِ حال بھی بہت اذیت ناک تھی۔ اس کا بس نہیں چلتا تھا کہ کیسے اور کس طرح ماہر کو حورعین کی زندگی سے کھینچ لائے۔ لیکن یہ کیسے ممکن تھا۔ حورعین کے ساتھ ہونے والے حادثے کے بعد ماہر گو کہ پہلے جیسا جھگڑالو نہیں رہا تھا پر وہ گھر میں کم، کم نظر آتا تھا۔ یقیناً وہ حورعین کے ساتھ ہی زیادہ رہتا تھا۔

☆☆☆

قریب دو ماہ بعد اچانک ماہر پر ایک ایسا جنون

سوار ہوا کہ اس نے فاطمہ کی ہستی کو بھنبوڑ کر رکھ دیا جانے ماہر پر کیسا جن سوار ہوگیا تھا یا اس کے دماغ کو کچھ ہوگیا تھا۔ اس پر وحشت سوار ہوگئی تھی۔ تب اس نے فاطمہ کے ساتھ بہت برا کیا۔ اسے زندگی میں پہلی مرتبہ مارا، ذلیل کیا، کتوں کی طرح دھتکارا، گالیاں تک دیں، حتیٰ کہ طلاق تک دینی چاہی تھی۔ یہ امر تھا جو رحمت کا فرشتہ بن کر آگیا تھا اور اس نے فاطمہ کو ماہر کے عتاب سے اور جنون سے بچالیا تھا۔

ہاں تب ماہر ایسا ہی پاگل اور جنونی ہوگیا تھا۔ اس نے اسے نیویارک کی سڑکوں پر کتوں کی طرح گھسیٹا تھا، اسے خوار کیا تھا، ذلیل کیا تھا، رسوا کیا تھا..... بے جرم گھر سے نکالا اور اپنی زندگی سے نکالا..... حتیٰ کہ ملک سے بھی نکال دیا۔

فاطمہ تب کتنی تنہا اور اکیلی ہوگئی تھی۔ پورا شہر اس کے لیے اجنبی ہوگیا۔ سڑکوں پر دھکے کھاتی اور اپنا قصور اور جرم تلاش کرتی..... تب امر ہی تھا جو اس کا سہارا بنا..... وہ امر ہی تھا جو اسے زندگی کی طرف دوبارہ لایا..... لیکن فاطمہ کے اندر سے زندگی ختم ہوچکی تھی۔ اس کے اندر سے امنگ ختم ہوچکی تھی۔ امید ختم ہوچکی تھی۔ امر کے شورے پر وہ پاکستان اپنی خالہ کے پاس چلی آئی تھی۔ جو حورعین کی ماں تھیں۔ جنہیں فاطمہ نے اپنے اوپر بیتی ایک، ایک اذیت ناک پر درد کیفیت کا بتایا تھا۔ درد ناک داستان سنائی تھی۔ دل پھاڑ دینے والے لمحوں کا احوال سنایا تھا۔

پھر کتنے سال ہی خالہ حورعین سے ناراض رہیں..... انہوں نے حورعین سے تمام تعلق توڑ لیے تھے اسے اپنی زندگی سے نکال دیا تھا۔

پھر کئی سال گزر گئے تھے۔ اس دوران امریکا سے ماموں، مامی کے کئی فون آئے..... ماموں اسے لینے بھی آئے، ماہر سے صلح کی ہر ممکن کوشش میں لگے رہے۔

پھر ایک دن امر کی کال بھی آئی تھی..... اس نے خالہ سے کہا تھا۔

''حورعین اپنی نئی زندگی کی شروعات کرنے لگی

دنیا کے کسی بھی گوشے میں اور ملک بھر میں
گھر بیٹھے
رسالے حاصل کیجیے
جاسوسی ڈائجسٹ، سسپنس ڈائجسٹ
ماہنامہ پاکیزہ، ماہنامہ سرگزشت
باقاعدگی سے ہر ماہ حاصل کریں اپنے دروازے پر
ایک رسالے کے لیے 12 ماہ کا زرسالانہ
(بشمول رجسٹرڈ ڈاک خرچ)
پاکستان کے کسی بھی شہر یا گاؤں کے لیے 800 روپے
امریکا، کینیڈا، آسٹریلیا اور نیوزی لینڈ کے لیے 9,000 روپے
بقیہ ممالک کے لیے 8,000 روپے
آپ ایک وقت میں کئی سال کے لیے ایک سے زائد رسائل کے خریدار بن سکتے ہیں۔ رقم اسی حساب سے ارسال کریں۔ ہم فوراً آپ کے دیے ہوئے پتے پر رجسٹرڈ ڈاک سے رسائل بھیجنا شروع کردیں گے۔
یہ آپ کی طرف سے اپنے پیاروں کے لیے بہترین تحفہ بھی ہوسکتا ہے
بیرونِ ملک سے قارئین صرف ویسٹرن یونین یا منی گرام کے ذریعے رقم ارسال کریں۔ کسی اور ذریعے سے رقم بھیجنے پر بھاری بینک فیس عائد ہوتی ہے۔ اس سے گریز فرمائیں۔
رابطہ: ثمر عباس (فون نمبر: 0301-2454188)
جاسوسی ڈائجسٹ پبلی کیشنز
C-63 فیز II ایکسٹینشن ڈیفنس ہاؤسنگ اتھارٹی مین کورنگی روڈ، کراچی
فون: 021-35895313 فیکس: 021-35802551

Famous Urdu Novels
http://famousurdunovels.blogspot.com/

ہے۔'' امر کی اس کال کے بعد خالہ گم صم ہوگئی تھیں۔ وہ حورعین کو یاد کر کے رات، رات بھر روتی تھیں۔

ماموں اور مامی فاطمہ کو منانے کی ہر ممکن کوشش کے بعد خاموش ہوگئے تھے۔ پھر کئی سال بیتتے چلے گئے۔ فاطمہ نے اپنا دل پتھر کرلیا تھا۔ وہ واپسی کے ہر رستے کو بھول گئی تھی۔ واپس جاتی بھی تو کیوں.....؟ اور کس لیے.....؟ حورعین اور ماہر شادی کر چکے تھے۔ وہ اپنی زندگی سکون سے گزار رہے تھے۔ فاطمہ کیوں وہاں جاتی؟ محض کڑھنے کے لیے؟ جلنے اور حسد کرنے کے لیے.....؟ پھر وقت کچھ اور آگے بڑھا، خالہ دو ماہ کے کہیں چلی گئی تھیں وہ اور پرانی ملازمہ اسی گھر میں تھے۔ ان دنوں وہ بیمار بھی تھیں۔ فاطمہ کو تو پتا نہیں چلا سکا تھا۔ وہ دراصل حورعین سے ملنے جاتی تھیں۔ تو کیا خالہ نے حورعین کو معاف کردیا تھا؟ فاطمہ کے ساتھ جو کچھ بھی ہوا تھا حورعین کی وجہ سے ہوا تھا۔ فاطمہ اسے کبھی معاف نہیں کرسکتی تھی۔

پھر یوں ہوا کہ جان سے پیاری خالہ کی بیماری بڑھ گئی۔ وہ فاطمہ کو سمجھاتی تھیں۔ ہر وہ بات جو فاطمہ سمجھنے والی نہیں تھی۔ خالہ کی انتھک کوششوں کے بعد بالآخر فاطمہ کا دل کچھ نرم پڑا۔ اسے زمانے کے اتار چڑھاؤ کی سمجھ آگئی تھی پھر یہ کہ اگر خالہ کو کچھ ہوجاتا تو وہ کہاں جاتی.....؟ سو ایک مرتبہ پھر اس نے دل پر پتھر رکھ کر واپسی کا سفر طے کرنا شروع کیا تھا..... اس دوران خالہ بھی چلی گئیں۔ فاطمہ کے پاپا بھی مرکھپ چکے تھے۔ اب اس کا کوئی اور رشتہ تو رہا نہیں تھا..... بس ایک اولاد کا تعلق تھا۔ دنیا میں اس کا واحد رشتہ اور سہارا..... ممتا کی ہڑک نے جب اسے پاگل کردیا تو وہ واپس نیویارک چلی آئی تھی کیونکہ اسے نیویارک آنا ہی تھا۔

☆☆☆

نیویارک پہنچ کر اس نے بہت ساری چیزوں میں تبدیلی دیکھی تھی۔ ماہر بھی بدل گیا تھا، وہ پہلے جیسا نہیں تھا۔ مامی بھی ویسی نہیں تھیں۔

حالات اب واقعی وہ نہیں تھے جو فاطمہ سوچ کر آئی تھی۔ یہاں پر تیزی سے تبدیلی کا رجحان بڑھ رہا تھا۔ ماہر کے مزاج میں بھی ٹھہراؤ آچکا تھا۔ وہ بدل گیا تھا یا پھر اسے وقت نے بدل دیا تھا۔ اس کا فاطمہ کے ساتھ پہلے جیسے رویہ نہیں تھا۔ اور واقعی ماہر بدل گیا تھا۔

لیکن ایک پھانس تو تھی ناں جو فاطمہ کے دل سے کبھی نہیں نکل سکتی تھی۔ ایک حرفِ معذرت بھی نہیں..... اپنے کیے پر ذرا سی شرمساری بھی نہیں..... الٹا وہ چاہتا تھا فاطمہ خود معذرت میں پہل کرے..... پھر حمنہ کا وجود تھا جو نہ چاہتے ہوئے بھی فاطمہ کو کھٹکتا تھا۔ جانے ماہر کو کیسے خبر ہوگئی تھی۔ وہ حمنہ کو بورڈنگ چھوڑ آیا۔ حمنہ کے چلے جانے پر پہلی مرتبہ فاطمہ کو شرمندگی اور ندامت ہوئی تھی۔ وہ ایک معصوم اور بن ماں کی بچی کے ساتھ عداوت نہیں رکھ سکتی تھی۔

لیکن وہ بچی بن ماں کی کہاں تھی.....؟ اس انکشاف نے تو فاطمہ کو ہلا کر رکھ دیا تھا..... اس انکشاف نے تو فاطمہ کو اسپتال کے بستر پر پہنچا دیا تھا۔

☆☆☆

فاطمہ نے بش گارڈن کی ڈاکومنٹری دیکھتے ہوئے جیسے ہی ڈور بیل کی آواز سنی تو دروازے پر دھیان گیا تھا۔ مامی اور بچوں سے تو امید نہیں تھی وہ اٹھ کر دروازہ کھولیں گے۔ فاطمہ کو خود ہی دروازہ کھولنا پڑا تھا اور جیسے ہی فاطمہ نے دروازہ کھولا سامنے کھڑی حورعین کو دیکھ کر اس کے سر پر آسمان آگرا تھا۔ وہ واقعی حورعین تھی، ویسی ہی حسین، دلکش، دلفریب..... اُف فاطمہ کو اپنی آنکھوں پر یقین نہیں آرہا تھا۔ وہ آنکھیں مسل، مسل کر دیکھتی رہی۔ اس کا دماغ چکرا رہا تھا۔ گول، گول گھوم رہا تھا۔ چکر کھا رہا تھا۔ پھر وہ لہرا کر زمین پر ایسی گری تھی کہ اسپتال جا کر ہی اس کی آنکھ کھلی۔

اور آج اسے اسپتال میں بھی دوسرا ہی دن تھا۔ اور دل چاہتا تھا کہ کبھی اس کی آنکھ کھلے ہی نہ آنکھیں بند ہی رہیں۔ پلکیں پپوٹوں سے جڑی ہی رہیں۔

بارِ ندامت نے اس کی آنکھوں کو جھکا کر اتنا شرمسار کردیا تھا کہ وہ کبھی ماہر اور حورعین کے سامنے سر

اٹھا کر کھڑی نہیں ہوسکتی تھی۔ وہ کبھی حورعین کا سامنا نہیں کرسکتی تھی۔

وہ حورعین تھی جس کی ماں نے اسے پھولوں کی طرح رکھا تھا۔ جب ہر رشتے نے اسے دھتکار دیا تھا تو خالہ نے ہی اسے سینے سے لگایا، اس کا غم دور کیا، سہارا دیا، محبت دی، اعتماد بحال کیا..... اور حتیٰ کہ ماہر کے دل کو اتنے سال بعد فاطمہ کے لیے موم کردینے والی بھی خالہ ہی تھیں۔

بہت ساری ایسی حقیقتیں تھیں جن سے حورعین نے پردہ اٹھایا تھا۔ کاش کہ وہ پردہ پڑا ہی رہتا۔ فاطمہ کو کچھ پتا نہ چلتا، اپنا حسد، بغض، کینہ اور اپنے باپ کا دیا گیا گھاؤ اور گھناؤنا کردار کبھی دکھائی نہیں دیتا۔ لیکن آج انکشافات کا دن تھا۔ فاطمہ کو آئینہ دکھانے کا دن تھا۔ حورعین آج بھی بلندی پر کھڑی تھی۔ فاطمہ آج بھی پستی میں دھنسی تھی۔

پھر اسپتال کی خاموش فضاؤں نے حورعین کا دردناک نغمہ بھی سنا تھا۔ فاطمہ کا جھکا سر پھر کبھی اٹھ نہیں سکا تھا۔ وہ حورعین تھی جو بول رہی تھی اور یہ فاطمہ تھی جو سن رہی تھی۔

''وقت انسان کو کبھی کبھار ایسے دوراہے پر لے آتا ہے جس سے نہ آگے رستہ نظر آتا ہے نہ پیچھے ہٹا جاسکتا ہے اور سمجھ بھی نہیں آتی کہ صحیح رستہ کون سا ہے.....؟ انسان بھاگنے کی کوشش کرتا ہے مگر بھاگ نہیں سکتا۔ چلتا ہے تو چل نہیں سکتا اور کبھی، کبھی وقت ہمیں بندگلی میں لا کھڑا کرتا ہے۔ ایسی بندگلی جس کا کوئی روزن کوئی دریچہ نہیں ہوتا۔ وہاں سانس گھٹنے لگتی ہے۔ حبس بڑھنے لگتا ہے۔ جان نکلنے لگتی ہے اور روح چلانے لگتا ہے۔ میں بھی اس وقت ایک بندگلی میں کھڑی ہوئی تھی۔ جب مجھے خبر ملی کہ ملائکہ خالہ کی فاطمہ سے ماہر کی زبردستی شادی کروادی گئی ہے، کیا یہ خبر سچ تھی؟ یا کسی نے بھیانک مذاق کیا تھا؟ کیا کوئی اتنا بھیانک اور سفاک مذاق بھی کرسکتا ہے؟ مجھے لگا، میں نے کھڑے، کھڑے موت کا ذائقہ چکھ لیا ہے۔ کیا ماہر کی محبت مجھ سے جدا ہوچکی تھی..... کیا مجھ پر عمر بھر کے لیے وہ ماہر..... جس کی محبت میرے ساتھ سانس لیتی پروان چڑھی تھی، وہ محبت جو میری زندگی کو ایک، ایک قدم توانائی بخش کر آگے بڑھا رہی تھی۔ وہ محبت مجھ سے اچانک چھن گئی تھی۔ معلوم نہیں آخر کیوں..... میرے ساتھ ہی کیوں؟ کیا ملائکہ خالہ کو کوئی اور نہیں ملا تھا؟ کیا ماہر کے علاوہ پورے امریکا میں کوئی اور نہیں تھا؟ صرف ماہر ہی کیوں؟ اور یہ ماہر ایسا ہرجائی تھا جو ذرا بھی بغاوت نہ کرسکا؟ ان دنوں مجھ پر جنونی دورے سوار ہوگئے تھے۔ مجھے راتوں کو نیند نہیں آتی تھی۔ مجھے دن کو چین نہیں ملتا تھا۔ میں رات بھر روتی تھی۔ دن بھر کمرے میں قید رہتی۔ ہاں تب مجھ سے میرا سکون چھن چکا تھا..... شاید میری یہ کیفیت برسوں تک قائم رہتی لیکن مجھے جلد ہی پتا چلا کہ جس خزاں کے دور سے میں گزر رہی ہوں۔ ماہر بھی اس پت جھڑ کے موسموں کا شکار ہے۔ میں بہت لمبی بات نہیں کروں گی فاطمہ..... میری ایک گھنٹے بعد واپسی کی فلائٹ ہے، مجھے چلے جانا ہے..... میں جاتے، جاتے تمہارے دل سے آخری پھانس نکال کر جاؤں گی۔'' نہ جانے وہ کیا کہنے والی تھی۔

''بھلے سے تم مجھے کچھ بھی نہ سمجھو..... لیکن میں تمہیں اپنی خالہ زاد کزن نہیں بہن سمجھتی اور مانتی ہوں۔ بہت مختصر لفظوں میں تمہیں اپنی زندگی کی حکایت بتاؤں گی جس طرح سانس اور روح کا تعلق ایک دوسرے کے ساتھ جڑا ہے۔ اسی طرح ماہر اور میری محبت ایک دوسرے کے لیے لازم وملزوم تھی۔

'' شاید یہ بچپن کی محبت تھی۔ جب وہ ماموں کے ہمراہ میرے گھر آتا تھا یا پھر میں امی کے ساتھ یہاں چلی آتی۔ ملائکہ خالہ کے ساتھ ہمارے تعلقات کبھی اچھے نہیں رہے تھے۔ وجہ تو تم بھی جانتی ہو، اس کی گہرائی میں میں نہیں جاؤں گی۔ گو کہ ہم لوگ ملائکہ خالہ سے ملتے نہیں تھے مگر ان کے حالات سے بے خبر بھی نہیں تھے، میں نہیں چاہتی تم اپنے مرے ہوئے باپ

Famous Urdu Novels
http://famousurdunovels.blogspot.com/

سے متنفر ہو مگر اس وقت جب تمہارا باپ تمہیں ایک مصری کے ہاتھوں بیچ رہا تھا اور تمہیں مصر اسمگل کر دیا جانا تھا تب خالہ نے ماموں کے پیر پکڑ کر منت کی تھی کہ تمہیں تمہارے باپ کی رذالت اور ظلم سے بچالیں۔ یہ ماموں ہی تھے جنہوں نے خالہ پر احسان کیا..... ماہر کو جیسے تیسے قسمیں دے کر منایا اور تم بیاہ کر محفوظ ہاتھوں میں چلی آئیں۔ میں کبھی اس عظیم بے وفائی پر ماہر کو معاف نہ کرتی..... مگر جب مجھے پتا چلا کہ فاطمہ کی زندگی اور عزت کا سودا کیا جا رہا ہے، تب میں نے خود ماہر کو اپنی محبت اور نکاح کی زنجیر سے آزاد کر دیا تھا۔ گو کہ ماہر کو تمہارا ساتھ قبول کرنے میں بہت وقت درکار تھا پھر بھی میں جانتی تھی کہ تم دونوں کے درمیان جو فاصلے ہیں وہ کبھی نہ کبھی مٹ جائیں گے۔''

وہ یہ کیسا انکشاف کر رہی تھی۔

''تم شاید سمجھتی تھیں کہ میں تمہیں جلانے اور تمہارا گھر اجاڑنے کے لیے نیویارک آئی تھی۔ ایسا ہرگز نہیں تھا۔ میں نے اسٹڈی کے لیے یہاں سے اپلائی کر رکھا تھا، ہاں ماہر نے کوششیں ضرور کی تھیں۔ مجھے لگ رہا تھا کہ تم کو میرا آنا پسند نہیں آیا۔ تم مجھے ناپسند کرتی تھیں اور پھر اس کا واضح اظہار بھی کرنے لگی تھیں۔ مجھے باتیں بھی سنانے لگی تھیں پھر میں نے خود ہی یہاں سے چلے جانے کا سوچ لیا تھا حالانکہ میرے اس فیصلے پر ماہر مجھ سے کئی مہینے تک ناراض رہا تھا مگر میں ماہر کی زندگی کو بے سکون کرنا نہیں چاہتی تھی۔

'' ان ہی دنوں ماہر نے مجھے فورس کرنا شروع کیا کہ میں اپنی زندگی کے لیے کوئی مناسب فیصلہ کروں..... امر کا پروپوزل بھی موجود تھا اور ماہر مجبور بھی بہت کر رہا تھا۔ میں خود بھی یہی چاہتی تھی کہ تمہاری زندگی سے بہت دور چلی جاؤں..... فلوریڈا ہم اسی وجہ سے گئے تھے، چھٹیوں کا تو بہانہ تھا۔

''وہاں فلوریڈا میں میرے ساتھ جو حادثہ پیش آیا تھا وہ اس قدر بھیانک اور ظالمانہ تھا کہ آج دس سال بعد بھی اذیت اور درد، خوف مجھے راتوں کو چلانے اور رونے پر مجبور کر دیتا ہے۔ وہ دہشت وہ وحشت آج بھی میری روح کو بھنبھوڑ ڈالتی ہے۔ ایک طویل مدت لگی تھی مجھے اس عذاب اور خوف سے نجات حاصل کرنے میں..... اگر امر اور ماہر نہ ہوتے تو شاید میں مر جاتی، مٹ جاتی ختم ہو جاتی۔

''اپنی عزت، وقار اور ذات کے غرور کو کھو دینے کا دکھ الگ تھا اور ماں کی بدگمانی کا غم الگ..... انہیں جو تم نے کہانی سنائی تھی وہ اسی پر ایمان لے آئی تھیں۔ ایک لمبا عرصہ وہ مجھ سے نفرت میں مبتلا رہی تھیں۔ پھر وقت نے مجھے ہر اس گناہ اور الزام سے بری کر دیا تھا۔ امی کا دل صاف ہو گیا..... وہ مجھ سے راضی ہو گئیں..... اور اس سب میں امر اور ماہر کی انتھک کوششوں کا دخل تھا۔''

فاطمہ بت بنی اس کی داستان سنتی رہی۔

''فلوریڈا میں جو کچھ میرے ساتھ ہوا تھا..... تم تو سمجھتی ہو گی، بہت اچھا ہوا..... میں تمہارا گھر خراب کر رہی تھی سو مجھے اسی بات کی سزا ملی..... یقیناً تب تم یہی سوچتی ہو گی ناں.....؟'' حورعین نے گہرے سانس لیے رکی تھی۔ ایسے جیسے میلوں کی مسافت کے بعد بھر کے لیے سانس لینا چاہتی ہو اور فاطمہ کے دل کی دھڑکنیں جیسے تھم گئی تھیں۔ اسے لگ رہا تھا حورعین کوئی نہ کوئی انکشاف کرنے والی تھی۔ ایسا کوئی انکشاف جو اس کی ہنسی کو ہلا دیتا اور واقعی حورعین نے فاطمہ کے سر پر آسمان گرا ڈالا تھا۔ اس نے اسے آسمان سے پاتال میں لا پٹخا تھا۔ وہ حق دق رہ گئی..... جیسے منجمد ہو کر رہ گئی تھی۔

''جانتی ہو فلوریڈا میں مجھے کس نے اغوا کروایا تھا؟'' حورعین کی آواز غم اور صدمے کی شدت سے پھٹ پڑی تھی۔ فاطمہ کی آنکھوں میں سفیدی اتر آئی۔ اس کا دل رک، رک کر چلنے لگا تھا۔ اس کا دل دھڑکنا بھول رہا تھا۔

''میں شاید تمہیں کبھی نہ بتاتی۔ لیکن اس لیے بتا رہی ہوں کہ جو دس سال تم نے کانٹوں پر چل کے گزارے ہیں یہ مت سمجھنا کہ ہم ان دس سالوں میں

Famous Urdu Novels
http://famousurdunovels.blogspot.com/

بڑے خوشحال اور خوش و خرم رہے تھے۔ جو عذاب تم نے بھگتے ہیں وہ ہم نے بھی بھگتے تھے۔ جانتی ہو تمہارے باپ نے مجھے اغوا کروایا تھا۔ میری عزت کو پامال کیا..... مجھ سے میرا وقار اور زندگی چھین لی..... مجھے موت کے منہ میں پہنچا دیا..... میں اسپتال میں آخری سانسیں گن رہی تھی۔ شاید مجھے اپنے ناکام قاتل کا کبھی پتا نہیں چلتا، ماہر اور امر بھی بے خبر رہتے مگر تمہارے باپ نے خود آکر اس بات کا انکشاف کیا تھا۔ اس نے آکر کہا جو کچھ میرے ساتھ ہوا تھا وہ سب کچھ فاطمہ کے کہنے پر ہوا، یہ انکشاف ماہر کو پاگل کر گیا تھا۔ وہ تمہیں شاید قتل کر دیتا..... یا طلاق تو ضرور ہی دے دیتا۔ تمہاری قسمت اچھی تھی..... تمہیں امر نے بچا لیا تھا یوں تمہیں پاکستان بھجوا دیا تھا ورنہ ماہر تمہیں قبر کے اندر سے بھی نکال کر سزا دے دیتا..... وہ تمہیں کبھی معاف نہ کرتا..... تمہیں دنیا میں ذلیل و خوار کر دیتا..... مگر ماموں کے بندھے ہاتھوں اور میری منتوں کی لاج اس نے رکھ لی تھی لیکن اس نے خود سے عہد کیا تھا کہ عمر بھر تمہیں واپس نہیں لائے گا اور نہ کبھی تمہارے ساتھ تعلق بحال کرے گا..... وہ اپنی بات پر قائم تھا اور اسے قائم رہنا آتا تھا۔ پھر وقت گزرتا گیا۔ میرے رستے زخموں پر بھی کھرنڈ جمنے لگی تھی۔

''ماہر مجھے دل و جان سے اپنانا چاہتا تھا۔ اس نے زمین آسمان کا زور لگا ڈالا تھا۔ ہر طرح کی کوشش کی تھی مگر میں نے کبھی اسے مثبت جواب نہیں دیا۔ تنگ آکر اس نے مجھے امر کے ساتھ شادی کرنے پر فورس کرنا شروع کر دیا تھا۔ بس وہ مجھے آباد دیکھنا چاہتا تھا اور میں بھی اسے آباد دیکھنا چاہتی تھی۔

''جیسے تیسے صعوبتیں جھیل کر بالآخر ماہر نے مجھے امر کے ساتھ آباد کر ہی دیا تھا پھر میں کیسے ایسی ظالم، سنگ دل یا کٹھور ہوتی کہ ماہر کو سنسان اور ویران ہی رہنے دیتی۔ گو کہ کہ ماہر کو رام کرنے، سمجھانے اور تم تک واپس لانے میں دس سال لگے تھے لیکن بالآخر ایک دن ہم اپنے مقصد میں کامیاب ہو گئے..... اس دوران امی بھی راضی ہو گئیں۔ انہیں بھی حقیقت کا پتا چل گیا تھا۔ امی نے بھی نیویارک آکر ماہر کو منایا..... اسے راضی کیا..... پرانی باتیں بھلا دینے پر مجبور کیا..... اور ماہر سے عہد لیا کہ ہم بھی اپنے تکلیف دہ ماضی کو یاد نہیں کریں گے اور وہ تمہیں کبھی میرے حوالے سے طعنے نہیں دے گا، نہ اپنے انتقام کو تازہ کرے گا..... سو ماہر تم تک پچھلی ہر بات اور ہر حوالے کو بھلا کر آیا تھا۔

''پھر جلد یا بدیر ہر کوئی اپنے انجام کو پہنچ ہی جاتا ہے۔ برے کو اس کی برائی کا بدلہ ضرور ملتا ہے، تمہارے واپس آنے سے پہلے خود تمہارا باپ ماہر سے معافی مانگنے آیا تھا لیکن ماہر نے اسے دھتکار دیا۔ میں جانتی ہوں، اس سب میں تمہارا اتنا قصور نہیں ہوگا..... تم تو فطری حسد کا شکار تھیں مگر تمہارے خود غرض باپ نے تمہیں اپنے مقصد کے لیے استعمال کیا تھا۔

''جب تم نیویارک پہنچیں تب تک میں پاکستان چلی گئی تھی امی کا آخری دیدار کرنے..... میرا قیام وہاں کچھ طویل ہو گیا تھا۔ حمنہ کو ماہر کے پاس چھوڑنا پڑا کیونکہ امر یا میرے بغیر تیسرا فرد ماہر ہے جس کے پاس حمنہ بخوشی رہ لیتی تھی۔ امر کو بزنس کے لیے بیرون ملک جانا تھا۔

''میں جانتی ہوں تمہیں حمنہ کی موجودگی میں تکلیف ہوئی ہوگی اور کچھ امر اور ماہر نے بھی تمہیں حقیقت نہیں بتائی ہوگی۔ وہ تمہیں جان بوجھ کر ستا رہے تھے۔''

وہ انکشاف کیے جا رہی تھی۔

''نہ تو میں دنیا سے گئی تھی اور نہ ہی حمنہ، ماہر کی اولاد ہے..... یہ میری اور امر کی اکلوتی، لاڈلی اولاد ہے..... جو کچھ امر نے منصوبہ سازی بنا کر تمہیں کلسایا ہے۔ اس میں میرا کوئی قصور نہیں..... اس کے لیے تم امر اور ماہر کی کلاس لے سکتی ہو۔ ایک لمبی اور طویل کہانی کے ہر کرب بھرے باب کو ہمیشہ کے لیے بند کر کے حورعین نے آخر میں ذرا ہلکے پھلکے لہجے میں کہا تھا۔ یوں کہ فاطمہ پتھر

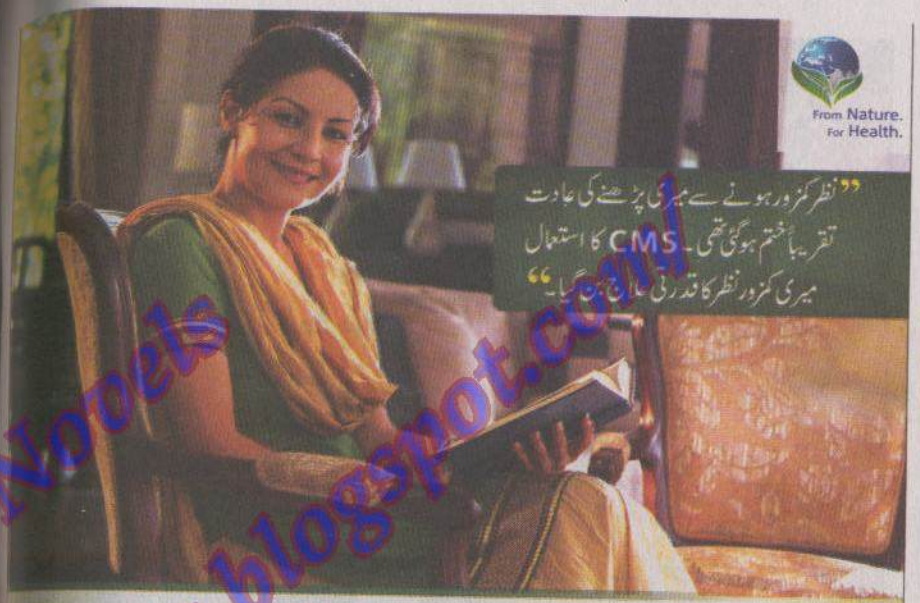

CMS آئی ڈراپس

آنکھوں جیسی نعمت کا تحفظ

CMS آئی ڈراپس ذیابیطس جیسے عارضوں کے باعث لاحق ہونیوالی دھندلی نظر اور موتیا بند کے علاج کے لئے بہت موثر ہیں۔ CMS آئی ڈراپس کا طویل عرصے تک مستقل استعمال اکثر صحت مند افراد کو موتیا بند سے محفوظ رکھتا ہے۔

موثر برائے:

- مطالعہ
- ٹی وی بینی اور فضائی آلودگی
- آنکھوں کی جلن کے لئے سکون بخش
- نظر کا تحفظ اور آنکھیں صاف و شفاف
- کمپیوٹر پر کام کی زیادتی کے باعث آنکھوں کی تھکن

Dr.Hamid
General Homoeo (Pvt.) Ltd.
Arambagh Road, Karachi. Tel: 021-32211895
24-Allama Iqbal Road, Lahore. Tel: 042-36373101
www.drhamid-schwabe.com

Dr.Willmar Schwabe Germany
www.schwabepakistan.com

REPCOM

Famous Urdu Novels
http://famousurdunovels.blogspot.com/

کی مورت سے جاندار چیز میں ڈھل کر دہاڑیں مار، مار کر رونے لگی تھی۔ اس پر شرمندگی، ندامت اور اذیت کی کنکریاں برس رہی تھیں۔

یہ اس۔ نے حورعین کے ساتھ کیا کر ڈالا تھا.....

اس کے باپ نے حورعین کے ساتھ کیا کر ڈالا تھا؟ فاطمہ ندامت اور شرمندگی کے اندھے کنویں میں جا گری تھی۔ وہ چیخ، چیخ کر رو رہی تھی۔ اسے حورعین کے اعلیٰ ظرف کے سامنے اپنا آپ انتہائی بونا اور چھوٹا لگ رہا تھا۔ وہ اتنی نیچ ہوگئی تھی۔ آخر اس نے حورعین کے ساتھ یہ کیسا ظلم کیا تھا؟ گو کہ وہ ایسی قصوروار نہیں تھی۔ اتنا سب کچھ کرنے کا تو وہ سوچ بھی نہیں سکتی تھی۔ وہ تو ہر بات سے بے خبر تھی لیکن جو دکھ حورعین کو ملے تھے وہ سب اسی کی وجہ سے ملے تھے۔ اس نے تو حورعین کو مفلس اور کنگال کر ڈالا تھا۔ اس کی عزت تک چھن گئی۔ اس کی ہر خوشی چھن گئی پھر بھی اللہ تعالیٰ نے حورعین کو مالا مال کر دیا تھا۔ اسے ہر اس چیز سے نوازا تھا جو حورعین سے چھن گئی تھی اور بے شک اللہ بڑا رحیم اور کارساز ہے۔ بے خطا کو ہرگز تنہا نہیں چھوڑتا۔

بارِ ندامت نے فاطمہ کو سراپا آنسو بنا دیا تھا۔ وہ حورعین کی ممنون تھی، اس کی احسان مند بھی تھی..... حورعین نے اس پر اتنے احسانات کیے تھے کہ وہ ایک بھی احسان اتار نہیں سکتی تھی۔

ہاں وہ حورعین سے معافی تو مانگ سکتی تھی ناں..... سو وہ ہاتھ جوڑے حورعین کے قدموں میں گر پڑی تھی۔ اسے عمر بھر حورعین کے سامنے جھکنا ہی تھا۔

''مجھے اپنی اس محبت کے بدلے میں معاف کر دو جو تمہیں ماہر سے تھی۔ اور مجھے اپنی اس زندگی کے بدلے معاف کر دو جو اللہ نے تمہیں تحفے میں دی۔''

حورعین نے اس کے پگھلتے آنسوؤں کو دونوں ہاتھوں میں سمیٹا تھا اور اسے تمام درد، دکھ اور اذیتیں بھلا کر سینے سے لگا لیا..... کیونکہ حورعین کم ظرف نہیں تھی۔ اور جن کے ظرف بلند ہوتے ہیں وہ حورعین کی طرح ہی بلند ہوتے ہیں..... وہ پاتال میں گر کر بھی عروج پا لیتے ہیں۔ وہ زمین پر گر کر بھی آسمان کو پا لیتے ہیں۔

☆☆☆

زندگی میں کوئی نہ کوئی ایسا مقام ضرور آتا ہے جو انسان کو اپنی غلطیوں کا ادراک ہو جاتا ہے۔ فاطمہ کو اتنا وقت گزار کر اپنی ان غلطیوں کا پتا چل گیا تھا جو اس سے سرزد ہوئی تھیں گو کہ وقت بہت گزر چکا تھا لیکن ازالے کے لیے وہ مزید انتظار نہیں کر سکتی تھی..... اب ازالے اور کفارے کا وقت تھا۔ خسارے اٹھا، اٹھا کر انعام پانے کا وقت تھا۔

ماہر نے ٹھیک کہا تھا..... اس نے اپنے باپ پر بھروسا کر کے غلط کیا تھا..... فاطمہ کو اپنے باپ پر بھروسا نہیں کرنا چاہیے تھا۔ جب وہ اس کی ماں کے ساتھ مخلص نہیں تھا تو بیٹی کے ساتھ کس طرح مخلص ہوتا؟ فاطمہ نے جو وقت بدگمانی، غصے اور اکڑ میں ضائع کر دیا تھا..... اب اس وقت کو واپس لوٹانا تھا۔ وہ حورعین سے معافی تو مانگ چکی تھی پھر اس نے ماہر سے بھی معافی مانگ لی تھی۔ ان دو لفظوں نے ماہر کے دل سے تمام میل اتار دیے تھے لیکن اس نے اتنا ضرور کہا تھا۔ اور یہ ''اتنا'' فاطمہ کی پوری زندگی پر بھاری تھا۔

''میں تمہیں اگر معاف نہ کرتا تو واپس بھی نہیں بلاتا..... اور اگر حورعین کی زندگی میں کوئی خوشی نہ آتی تو اللہ کی قسم نہ میں خوش رہتا اور نہ تمہیں خوشحال رہنے دیتا..... یہ سب کچھ جو تمہیں دوبارہ ملا ہے..... حورعین کی محبتوں، وسیع القلبی اور اعلیٰ ظرفی کے وسیلے سے ملا ہے۔'' ماہر کے ان الفاظ نے پھر کبھی فاطمہ کو حسد سے دوچار نہیں کیا تھا۔ نہ اس نے حورعین سے خار کھانے کی کبھی دوبارہ کوشش کی تھی۔ نہ اس نے کبھی دوبارہ حورعین کے لیے برا سوچا تھا کیونکہ ماہر کے ساتھ خوشحال زندگی گزارتے ہوئے فاطمہ اتنا ضرور جان گئی تھی کہ اسے جو کچھ بھی ملا ہے حورعین کی محبت کے ''صدقے'' میں ہی ملا ہے۔

Novels
novels.blogspot.com
Activate W